© جملہ حقوق بحقِ مصنّفہ محفوظ!

انقلابی خاتون ساوتری بائی پھُلے

حیات اور کارنامے

مصنفہ

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

عادل پبلی کیشن، پونے

AADIL PUBLICATION&BOOKSELLER

9371 9595 9326 9373 748585

Shop No.36, 7- Nana Peth, Khursheed Complex, Near Alpana Theater, Luxmi Road, Pune - 411002
web site : www.aadilpublication.com E-mail : aadilbookseller123@yahoo.co.in

© جملہ حقوق بحقِ مصنفہ محفوظ!

کتاب کا نام : انقلابی خاتون ساوتری بائی پھلے
حیات اور کارنامے

مصنفہ : ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

سن اشاعت : ۲۰۱۵ء طبع اوّل

تعداد طبع اوّل : ۲۰۰۰

صفحات : ۱۴۸

قیمت : -/100

کمپوزینگ : ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

سرِ ورق : انصاری نفیس احمد (مالیگاؤں)

طباعت : عادل پبلی کیشن پونے

تعارف

نام : ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

پیشہ : معلمی

تعلیم : ایم،اے، پی ایچ ڈی

پتہ : جے جوان سوسائٹی، بلاک نمبر ۷/ بی وانوڑی گاؤں، پونے ۴۰

فون/ای میل:9623288787/taherashaikh27 @ gmail

تصانیف

☆ ایک کہانی ایک نصیحت (بچوں کے لئے کہانیوں کا مجموعہ) (۲۰۰۶)

☆ مہد سے لحد تک اسلامی احکام (۲۰۰۷)

☆ وقت کی اہمیت (بچوں کے لئے کہانیوں کا مجموعہ) (۲۰۰۹)

☆ زندگی ایک افسانہ (۲۰۱۰) مہاراشٹر راجیہ ساہتیہ اردو اکادمی سے انعام یافتہ

☆ قران کے قصے ۲۰۱۱ء بہار ساہتیہ اردو اکادمی کی جانب سے انعام یافتہ

☆ قیامت سے پہلے علامت قیامت ۲۰۱۳ء

☆ ہمارا گلشن (کہانیوں وڈراموں کا مجموعہ بچوں کے لیے) ۲۰۱۳ء

زیر اشاعت:

بچوں کے لیے ''گلدستہ'' (کہانیوں وڈراموں کا مجموعہ)، ''شاعر مشرق علامہ اقبال''، ''مولانا ابوالکلام آزاد''، ''سلمان فارسی رضی اللہ عنہ''، ''ساوتری بائی پھلے''، ''شاہو مہاراج''، ''تھامس ایڈیسن''، ''گراہم بیل''، ''سیف اللہ خالد بن ولیدؓ'' ☆ آستانہ نبوتؐ کے درخشاں ستارے (خلفائیں راشدین) ☆ اے ایمان والو!

انتساب

ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ مسلم خاتون
استانی فاطمہ بی کے نام جنھوں نے ایسے وقت
میں ساوتری بائی کا ساتھ دیا جب اُن کے اپنوں
نے ساتھ چھوڑ دیا۔

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

فہرست

☆ پیش لفظ	8
اظہار تشکّر	12
اظہار خیال	15
باب اوّل ساوتری بائی پھلے کی حیات	17
☆ ہندوستان کا سماجی پس منظر	18
☆ جہالت کا دور	24
☆ ساوتری بائی کی پیدائش	26
☆ ساوتری بائی کا بچپن	28
☆ ساوتری بائی کی شادی	33
☆ جیوتی با پھلے	35
☆ سگونا بائی شیر ساگر	45
☆ ساوتری بائی کی ممتا سیراب ہوئی	47
باب دوّم ساوتری بائی کی تعلیم اور تعلیمی خدمات	49
☆ ساوتری بائی پھلے کی تعلیم	50
☆ فاطمہ بی	56

☆ ساوتری بائی پھلے کی تعلیمی خدمات 60

☆ ساوتری بائی پھلے ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ استانی 65

☆ ساوتری بائی بحیثیت صدر مدرسہ 69

☆ ساوتری بائی بہترین نگراں کار 71

باب سوم ساوتری بائی پھلے کی سماجی خدمات 73

☆ مہیلا منڈل کا قیام 76

☆ شادی بیاہ کے رسم ورواج 78

☆ بے جوڑ شادیاں (بچپن کی شادیاں) 79

☆ بال ہتیہ پردی بندھک گرہ (بچوں کے قتل پر پابندی) 81

☆ بیوہ عورتوں کی شادی 83

☆ یتیم خانہ کا قیام 85

☆ ۱۸۶۸ء میں دلتوں کے لیے اپنے گھر کا کنواں عام کیا۔ 87

☆ ستیہ شودھک سماج 88

☆ مہاراشٹر میں قحط 91

☆ پونے میں پلیگ 94

باب چہارم ساوتری بائی پھلے کی ادبی تخلیقات 96

☆ ساوتری بائی پھلے کا ادب سے لگاؤ 97

☆ کاوے پھلے ۱۰۰

☆ باون کشی سبودھ رتنا کر ۱۱۹

☆ ساوتری بائی کے لکھے خطوط 122

☆ ساوتری بائی کے بھاشن (تقاریر) 128

تاریخ کے اوراق سے چند یادگار لمحے (تصویریں)

باب پنجم ساوتری بائی پھلے کی زندگی کے آخری ایام 134

☆ جیوتی با کی وفات 137

☆ ساوتری بائی پھلے اپنے آخری سفر پر روانہ 139

☆ ساوتری بائی پھلے کی زندگی پر ایک نظر ۱۴۱

☆ مہاراشٹر کی سماجی اور تعلیمی زندگی پر پھلے خاندان کے اثرات ۱۴۳

کتابیات ۱۴۸

پیش لفظ

ہندوستان میں زمانہ قدیم سے کئی عقائد کے لوگ آباد تھے۔ ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو قبائلی، دراوڑی، آریہ، ترک، تاتاری، مغل سے تو انگریزوں کی آمد تک کئی مذہب اور عقیدوں کے لوگوں کی تہذیب اور سماجی تاریخ کا ایک سمندر نظر آئے گا جس کے اثرات براہراست ہندوستانی کی عام زندگی اور رسم ورواج پر اثرانداز ہوئے۔ آریاؤں کی آمد ہند نے ہندوستان کی سماجی زندگی کی کایا پلٹ دی۔ ترقی کے ساتھ ساتھ سماج کئی طبقوں میں بٹ گیا اور آہستہ آہستہ نچلے طبقہ کے افراد پر زندگی تنگ ہوگئی۔

مسلمانوں کی آمد ایک نئے مذہب اور تہذیب کی آمد تھی۔ جہاں یہاں کے تہذیبی اثرات مسلمانوں پر پڑے وہی مسلمانوں کے مذہبی اثرات براہراست مقامی لوگوں پر پڑے اور ملی جلی مشترکہ تہذیب وجود میں آئی۔ لوگ ایک دوسرے کے رسم و رواج سے متاثر ہونے لگے۔ اس کی سب سے اہم وجہ جس نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں آہنگی کی عام فضا پیدا کردی تھی وہ بھکتی تحریک ہے اِن بھکتوں میں مہاراشٹر کے بھی کئی بھکت تھے جن میں سرفہرست تکارام، نام دیو وغیرہ ہیں۔ دو مختلف عقیدوں کے لوگوں ایک ملک میں بس گئے۔ اسلامی مساوات اور تعلیم، عبادات و وراثت میں عورتوں کا حق اِن نظریات نے اہل ہند کی سوچوں کو نئی راہ دکھائی۔ اِن تعلیمات نے یہاں کے لوگوں کو کافی متاثر کیا۔ اُن میں اپنے حق کیلئے آواز اُٹھانے کی

ہمت پیدا ہوئی۔ مسلمان بادشاہوں نے اسلامی شعریت اور قانون کو نافذ نہیں کیا تھا مقامی لوگ اپنے مذھبی طور طریقے سے زندگی گزارنے میں آزاد تھے۔ عام رعایا پر کسی قسم کی پابندی نہ تھی۔ اسی لیے مقامی لوگوں میں اور باہر سے آنے والوں میں آپس میں میل ملاپ ہونے سے ہندوستان میں آہستہ آہستہ مسلمان کے کئی فرقے بن گئے اور وہ مختلف ذاتوں میں بٹ کررہ گئے تھے۔ مقامی لوگوں پر اُن کے اثرات انفرادی طور پر تو ہوتے رہے مگر اجتماعی طور پر کوئی خاص انقلاب برپا نہ کرسکیں۔ سماج کئی فرقوں میں بٹ کررہ گیا تھا۔

زمانے قدیم سے ہی ہندوستان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ آریاؤں کے زمانے میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے طلبا دور دراز کی جگوں پر سفر کرتے تھے۔ عورتوں بھی تعلیم حاصل کرتیں تھیں مگر اُن کی تعلیم سے کسی کو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بادشاہ اشوک کے زمانے میں نالندہ کی خانقاہی یونیورسیٹی مشہور تھی ۶۳۰اء چینی زائر ہیون سانگ نالندہ کی خانقاہی یونیورسٹی میں سنکرت اور ہندوستانی بدھ مذہب کے مطالعے میں اضافے کے لئے ہندوستان آیا تھا۔ اس نے اپنے سفرنامے میں اس بات کا ذکر کیا تھا کہ نالندہ یونیورسیٹی میں تقریباً دس ہزار میزبان اور مہمان بھکشوں طالب علم تھے جنھیں ہر طرح کی مراعت حاصل تھی۔

مسلمانوں میں ہندوستان کے باہر دیگر اسلامی ریاستوں میں تعلیم کی اہمیت کو مان کر بڑی بڑی یونیورسیٹوں کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ جس وقت یورپ اندھیرے میں تھا اُس وقت بغداد تعلیم کا مرکز کہلاتا تھا۔ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے دور میں بھی مقامی زبانوں کے علاوہ عربی اور فارسی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اُس زمانے

میں گھر میں آ کر اساتذہ پڑھایا کرتے تھے۔ مدارس قائم کئے گئے تھے۔ جن گھروں کی مالی حالت اچھی ہوتی وہاں عورتوں کے لیے گھر میں اساتذہ کا انتظام کیا جاتا تھا۔ رہی بات غریب و غرباء کی جن کے اپنے ہی کھانے کے لالے ہو وہ کب اپنے بچّوں کے لیے تعلیم کا انتظام کر سکتے تھے۔ اسی لئے اکثر کم حیثیت کے لوگوں میں تعلیم کا فقدان تھا

انگریز ہندوستان پر مکمل اختیارات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی کے لیے انھوں نے ہندوستان کے حالات بدلنے کی بھر پور کوشش کی۔ اپنی حکومت کو عام کرنے کے لیے انھوں نے تعلیم ہی کا سہارا لیا۔ انگریزی تعلیم کو عام کرنے کے لیے کئی سرکاری اسکولوں و کالجوں کی بنیاد رکھیں۔ ہندوستانی طالب علم تعلیم کے لیے لندن و باہر کے ملکوں کا سفر کرنے لگے۔ انگریزوں نے کالج میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے بھی تعلیمی مراعت آسان کردی تھی۔ اسی وجہ سے غدر کے پہلے سے ہی کئی لوگ انگریزی تعلیم اور اُن کے بھید بھاؤ کو نہ ماننے کی عادت کی وجہ سے اُن کے قریب ہو رہے تھے یا اُن کا تعلیمی نکتہ نظر اپنا رہے تھے۔ کئی سماجی رہنما اپنے قوم کی حالت بدلنے کے لیے انگریزی تعلیم کا سہارا لے رہے تھے۔

اِن سماجی رہنماؤں میں مہاراشٹر کے پھُلے خاندان سے وابستہ جیوتی با پھُلے اور ساوتری بائی پھُلے پیش پیش تھے جیوتی با پھُلے جنھوں نے مہاراشٹر میں دلت عوام کی فلاح بہبودی کا کام کیا اور ہندو عورتوں کی تعلیم کی بنیاد رکھی تھی اور ساوتری بائی کے بغیر یہ مشکل کام ناممکن تھا۔ ساوتری بائی نے تعلیم حاصل کر کے اُسے دوسروں تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ جس زمانے میں تعلیم کا حاصل کرنا ہی مشکل کام تھا اُس وقت تعلیم حاصل کر کے دلت عورتوں کو تعلیم دینا بہت ہی مشکل کام تھا۔ یہ مشکل کام انقلابی

خاتون ساوتری بائی نے کیا اور بہ خوبی ادا کیا۔ اُن کی زندگی میں آنے والے اس انقلاب کو ہم اُس وقت تک سمجھ نہیں سکتے جب تک اس انقلاب کے پیچھے پوشیدہ حالات کا پس منظر نہ جان لیں۔ جس کے بغیر ہم اُن کے جذبات واحساسات کو سمجھ نہیں سکتے۔ اسی کے پیش نظر انقلابی خاتون ساوتری بائی پھُلے کی حیات، تعلیم، تعلیمی خدمات، سماجی خدمات اور اُن کے ادب پر ایک طائرانہ نظر حاضر خدمت ہیں۔

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

اظہارِ تشکّر

زبان کی پہچان ہی ادبی تصنیف سے ہوتی ہے۔ تاریخ اگر حکومتوں کے نشیب وفراز کو اپنے اندر محفوظ رکھتی ہے تو ادبی تصنیف معاشرے کی تاریخ اور حالات کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ ایک شاعر ایک مصنف اپنے ذاتی خیالات اوز جذبات کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے حالات کو بھی قلم بند کر لیتا ہے وہ جس انداز میں اُن سے متاثر ہوتا ہے اسی انداز میں وہ اُسے اپنی شاعری ومضامین کا حصّہ بنا دیتا ہے۔ جو نسل درنسل آگے بڑھتا جاتا ہے اور اپنے اباء واجدا کے حالات کے ساتھ ساتھ اُن کے سماجی حالات سے بھی آگاہی حاصل کرنا کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آنے والی تصانیف کے لیے مستند مواد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

ساوتری بائی پھُلے کی زندگی پر روشنی ڈالنے والی ایسی کئی کتابیں ہیں جو مراٹھی ادب کا خاص حصّہ ہیں۔ جنھیں پڑھ کر ہم اُن کی زندگی کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

مراٹھی ادب کو یہ مواد ساوتری بائی اور مہاتما جیوتی با نے لکھی شاعری اور مضامین سے میسّر ہوا۔ اردو زبان میں ساوتری بائی پھُلے کے متعلق جو بھی معلومات ہے وہ کہی کہی مضامین کی صورتوں میں موجود ہیں۔ اُن کی زندگی پر مکمل کتاب اردو ادب میں ناپید ہے۔ ساوتری بائی کی حیات، کارنامے اور ادبی تصانیف کے بارے میں ایک کتاب لکھنے کی خواہش میں مراٹھی ادب سے رابطہ کے لیے کئی لائبریریوں سے تعلق رکھنا پڑا۔ یہ تمام کتابیں مراٹھی زبان مین تھیں۔ انھیں پڑھ کر اپنی زبان میں اور اپنے طور پر

لکھنا مشکل کام ہے۔ کسی زبان سے اپنی مادری زبان میں ترجمہ کرتے وقت الفاظ اپنے معنی نہ کھودے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوجاتا ہے۔ بات کا مفہوم بھی ادا ہوجائے اور زبان کی دلکشی بھی قائم رہے۔ ہر زبان کی ایک اپنی طرز وادا ہوتی ہے جو دوسری زبان سے مختلف ہوتی ہے۔ ساوتری بائی کی شاعری، تقریر اور خط اِن کو مراٹھی سے اردو میں کرتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا گیا۔ اِن تمام نکات پر نظرِ ثانی کر کے مراٹھی میں موجود اِن کتابوں کا مطالعہ کر کے ضروری مواد کو اردو میں سادہ اور سلیس زبان میں لکھا گیا تا کہ سب کے مطالعہ کے لیے آسانی ہو۔

پونے کو تعلیم کا میکہ کہا جاتا ہے اسی لیے پونے سے باہر کہی اور رجوع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ پونے کی اہم لائبریریاں جن میں سرِفہرست وشرام باگ واڑا کا شاسکیہ گرنتھالیہ، نگر واچن مندر، کیمپ ایجوکیشن اسکول و جونیر کالج کی لائبریری، اور مہاتما جیوتی راؤ پھلے سمتا پرتشٹھان کی لائبریری اور اِن تمام لائبریریوں کے کارکنان جن کی بدولت اس کتاب کی اشاعت میں آسانی ہوئی۔ مہاتما جیوتی راؤ پھلے سمتا پرتشٹھان کے اہم کارکن اور سماجی لیڈر ڈاکٹر بابا اڑاو، نتین پوار وغیرہ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ اُن کے تعاون کے بغیر یہ اہم تصنیف پائے تکمیل تک نہ پہنچ پاتی اور نہ ہی جلد مکمل نہ ہوتی۔ ان تمام حضرات کی میں تہہ دِل سے مشکور ہوں کہ اِن کے تعاون کے بغیر میرے قلم سے اردو ادب میں ساوتری بائی پھلے کی حیات، ادب اور کارناموں پر مفصّل کتاب وجود میں نہ آتی۔

اس کارِ سعید میں شامل اِن تمام حضرات کا میں تہہ دِل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اِن کے بہترین تعاون نے تصنیف کی راہ میں آنے والی مشکلات کو آسان

کردیا۔اُس کے ساتھ ساتھ میں عادل پبلی کیشن کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ اس کتاب کی اشاعت میں فوری کام شروع کردیا۔مخلص سہیلی ڈاکٹر نسرین جنھوں نے ساوتری بائی کی شاعری پر کام کیا ہے۔یہ کام ہم نے ساتھ ساتھ مل کر کیا لائبریری ساتھ جانا آنا ہوتا تھا۔ڈاکٹر نسرین کے مفید مشوروں کام آئے۔میرے اہل و اعیال جن کے تعاون کے بغیر یہ کام ناممکن تھا۔میں اِن سب کی تہہ دِل سے شکرگزار ہوں کہ یہ کتاب ہر مرحلے سے آسانی سے گزر کر اب آپ کے سامنے موجود ہیں۔قارئین سے گزارش ہے کہ وہ مطالعہ کے دوران آنے والی کسی کمی یا غلطی یا مراٹھی زبان کی صحیح ادائیگی یا کسی لفظ کا صحیح مفہوم نہ ادا ہونے پر اسے میری کم علمی جانتے ہوئے درگزر کریں۔

اس تحقیقی کام کا مقصد اردو ادب سے وابستہ لوگوں کو ساوتری بائی اور فاطمہ بی کی تعلیمی سرگرمیوں سے آشنائی کرانا اور اُن کی قومی خدمات کے جذبہ کو خراج تحسین پیش کرنا۔

ڈاکٹر شیخ طاہرہ عبدالشکور

پونے، مہاراشٹر

اظہار خیال

महात्मा जोतीराव फुले समता प्रतिष्ठान

८९नवीन लाकूड बाजार,भवानी पेठ,पुणे-४११ ००२फोन-२६४५७३०७

दि.११/१०/२०१४

पुणे विद्यापीठाला सावित्रीबाई फुले यांचे नाव नुकतेच दिले गेले. या घटनेमुळे सावित्रीबाई फुले यांच्या कार्याला असलेल्या व्यापक मान्यतेवर आणखी एक मोहोर उमटली. सावित्रीबाई फुले यांच्या विषयी समाजातील विविध स्तरात आदर,आपुलकी जाणवते. त्यांना अधिक जाणून घेण्याची जिज्ञासा आढळते. म.जोतीरावांच्या सहचरी व पहिल्या भारतीय प्रशिक्षित शिक्षिका इथपर्यंतच त्यांचा परिचय थांबत होता. सावित्रीबाईंनी जीवनाच्या विविध अंगांना स्पर्श करणारे कार्य आपल्या हयातभर केले. जाणते अजाणतेपणाने त्यांचे हे कार्य अंधारात रहात होते. मात्र सावित्रीबाईंची प्रतिमा आणि प्रतिभा जसजशी अधिकाधिक उजेडात येत आहे. तसतसे सावित्रीबाईंनी अनेक क्षेत्रात मूलगामी काम केले आहे हे स्पष्ट होत आहे.

समाजातील विविधस्तरात सावित्रीबाईंचे असे बहुआयामी कार्य पोहोचावे यादृष्टीने डॉ.तोहरा शकूर यांनी उर्दू भाषेत लिहीलेले सावित्रीबाई फुले जीवन व कार्य हे पुस्तक महत्त्वाचे आहे. या पुस्तकात सावित्रीबाई व म.जोतिराव फुले यांच्या कार्याविषयी सामान्यत: माहित असलेल्या उभयतांचे शिक्षण विषयक काम, पूर्वास्पृश्यांची व मुलींची पहिली शाळा,प्लेगच्या साथीत त्यांनी शब्दश: जीवावर उदार होऊन वाचवलेले मानवी जीव या विषयी माहिती दिली आहेच.पण सावित्रीबाई साध्वी नसून क्रांतीज्योती असल्याच्या खूणा दाखवणाऱ्या कर्तृत्वाचीही ओळख करून देण्यात आलेली आहे. हे मला जास्त महत्वाचे वाटते.त्यात बालहत्या प्रतिबंधक गृह स्थापना,

विधवा गृह व महिला मंडळाची स्थापना, सावित्रीबाईंचा काव्यफुले हा कविता संग्रह,सुबोध रत्नाकर व इतर साहित्यकृतींची माहिती आहे.

सावित्रीबाई या महात्मा जोतिराव या महान कर्तुत्ववान पुरूषाच्या जोडीदार होत्या. जोतीरावांची त्यांनी कौटूंबिक व सामाजिक जीवनात जीवाभावाने साथ निभावली. पण त्या शिवायही त्यांचे स्वतंत्र व्यक्तित्व व कर्तुत्व होते. त्यांची स्वतंत्र चरित्र निर्मिती हे त्याचेच प्रतिबिंब आहे. या उभयतांच्या जीवनात उस्मान शेख व फातिमाबिबी शेख यांची अनमोल साथ लाभली. तो वारसा डॉ. तोहरा शकूर यांच्या लेखनाच्या रूपाने आजही पुढे चालविला जात आहे. ही अतिशय आनंद देणारी व परिवर्तनाच्या चळवळीची उमेद वाढविणारी गोष्ट आहे.

म.जोतीराव,सावित्रीबाई त्यांचे सहकारी,सत्यशोधक चळवळ,शैक्षणिक चळवळ इ.विषयी संशोधन, साहित्य निमिर्तीचे कार्य आमच्या म.जोतीराव फुले समता प्रतिष्ठानच्यावतीने गेली चाळीस वर्षेसुरू आहे. त्याची निर्मिती प्रामुख्याने मराठीत होते. चळवळीच्या निमित्ताने महाराष्ट्रा बाहेर जावे लागते तेव्हा म.फुले,सावित्रीबाई हे केव्हाच पुतळ्यांच्या रूपाने का होईना तेथे पोहचल्याचे आढळते. परंतू त्यांचे वा त्यांच्या विषयीचे साहित्य इतर भाषात फारसे उपलब्ध नसल्याची उणिवही जाणवते. हे न्यून अशा पुस्तकांनी निश्चितच भरून निघेल.त्याकरता डॉ.तोहरा यांचे अभिनंदन व शुभेच्छा !

डॉ.बाबा आढाव,

कार्याध्यक्ष,म.जोतीराव फुले समता प्रतिष्ठान

باب اوّل ساوتری بائی پھُلے کی حیات

☆ ہندوستان کا سماجی پس منظر

☆ جہالت کا دور

☆ ساوتری بائی کی پیدائش

☆ ساوتری بائی کا بچپن

☆ ساوتری بائی کی شادی

☆ جیوتی باپھُلے

☆ سگونا بائی شیر ساگر

ہندوستان کا سماجی پس منظر

۱۸۰۰ء صدی کا اختتام کے بعد کا دور نئی تعلیم کے فروغ کا دور تھا اور سیاسی اُتھل پتھل کا بھی جس کی وجہ سے سارے ملک میں بے اطمینانی کی فضا بکھر گئی تھی۔ اس دور میں کئی سماجی رہنما سامنے آئے۔ جیسے راجا رام موہن رائے، گوپال گنیش۔ اگرکر، سر سیّد احمد خان، رابندر ناتھ ٹائیگور، سی۔ وی۔ رامن، نارائن گرو، جسٹیس راناڈے، جیوتی با پھلے، ساوتری بائی پھلے، سوامی ویویکانند، اشور چندر ویدھاساگر، وشنو شاستری پنڈت، ویریش لینگم پنتالو اور مہارشی کروے وغیرہ جنھوں نے سماج کی حالت بدلنے میں اپنی زندگی وقف کردی۔ جنھوں نے سماج کی حالت بدلنے کی کوشش کی۔ جدید تعلیم کا حصول انھیں قدیم رسم و رواج کی پابندی اور اندھی تقلید کے خلاف ایک محاذ کھڑا کرنے میں مددگار ثابت ہوتا جا رہا تھا۔

راجا رام موہن رائے جو کہ ایک امیر برہمن رما کانت رائے کے بیٹے تھے۔ مغربی بنگال میں رہنے والے اس نوجوان نے ابتدائی تعلیم سنسکرت اور بنگالی میں حاصل کی۔ پھر پٹنہ کے مدرسہ سے عربی اور فارسی سیکھی پھر بنارس میں سنسکرت اور ہندی کی تعلیم لی۔ ۲۲ سال کی عمر میں انگریزی کی تعلیم حاصل کر کے بادشاہ وقت اکبر

دوّم کے سفیر کی حیثیت سے لندن کا سفر بھی کیا۔ راجا رام نے سب سے پہلے ستی کی رسم کے خلاف آواز اُٹھائی۔ پھر وہ ایک خدا کے حامی بن کر بت پرستی کے خلاف ہو گئے۔ راجا رام موہن رائے نے ''برہمو سماج'' کی بنیاد ڈالی تھی۔

شمالی ہند میں سر سیّد احمد خان سماجی فلاحی کاموں میں سر فہرست نظر آتے ہیں انھوں نے اردو، عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کی تھی۔ محمد ﷺ کی آمد سے مسلمانوں کا دور جہالت ختم ہوا تھا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم بھی فرض قرار دی گئی۔ ہندوستان میں عام ہندوستانیوں کی طرح کئی مسلمان بھی یہ سوچ رکھتے تھے کہ انگریزی تعلیم سماج میں بگاڑ پیدا کرے گی اور کئی یہ سوچ رکھتے تھے کہ انگریزی تعلیم سے ترقی ہوگی۔ سر سیّد احمد خان بھی اُن سماجی لیڈروں میں سے تھے جو یہ سوچ رکھتے تھے کہ جدید تعلیم ترقی کی راہوں کو کھول دے گی۔ اسی نظریے کے تحت وہ مسلمانوں کی نئی نسل میں انگریزی تعلیم کی اہمیت بڑھانا چاہتے تھے۔ وہ سائنسی طریقے کے زبردست حامی تھے۔ وہ جدید تعلیم کے حامی تھے سر سیّد نے ''علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی'' کی بنیاد رکھی۔ ''سائنٹفک سوسائیٹی'' قائم کی۔

سماج میں ہونے والی ذات پات کی تفریق کے خلاف کھڑے ہونے والوں میں لوکا ہتھواڑی، جیوتی با، گوپال گنیش اگرکر، سوامی دیانند سرسوتی نارائن گرو اور ویریش لینگم پنتالو پیش پیش تھے۔ نارائن گرو نے کیرلا میں سماجی عدم مساوات پر تحریک چلائی۔ انھوں نے ہندوؤں میں انٹر کاسٹ شادی کو بڑھاوا دیا۔ دادوبا پانڈو رنگ ترکھاد کرنے ذات پات کی تفریق پر ''پرمہاسنا سباح'' کی بنیاد رکھی جس کا اہم مقصد ہی ذات پات کی تفریق کو مٹانا تھا۔ آتما رام پانڈو رنگ ترکھاد کرنے ممبئی میں

''پراتھنا سماج'' کی بنیاد رکھی۔اس کا مقصد بھی ذاتی بھید بھاؤ کو مٹانا تھا۔جسٹیس رانا ڈے، ڈاکٹر آر۔جی۔بھنڈارکر اور جسٹیس کے۔ٹی پراتھنا سماج کے لیڈر تھے۔

سوامی دیانند سرسوتی نے ممبئی میں ''آریہ سماج'' کی بنیاد رکھی تھی۔سوامی ویویکانند نے ''رام کرشن میشن'' کی بنیاد رکھی۔اِن دونوں کا اہم مقصد انسانیت کے مذھب کو عام کرنا تھا۔اور وہ ہندوستانی تہذیب کو دنیا بھر میں پھیلانا چاہتے تھے۔سی۔وی۔رمن اور ربندرناتھ ٹائیگور نے اپنے خیالات کو ادب کا حصہ بنایا اور سائنس اور ادب پر نوبل پرائز کے حق دار بنے۔

تمام سماجی رہنماؤں کی وجہ سے سماج میں ایک انقلابی صورت حال پیدا ہوتے جارہی تھی۔اخبار، میگزین اور ادبی تصانیف میں عورتوں کے حقوق، ذات پات میں ہونے والے بھید بھاؤ اور سماجی ناانصافی پر آواز اُٹھائی جارہی تھی۔تمام تنظیموں کا مقصد سماج میں ہونے والی غیر مساوی تفریق، ناانصافی، جہالت، عورتوں کے حقوق کی پامالی اور دلت لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک اِن تمام کاموں کی روک تھام کرنا اور قومی یک جہتی کو فروغ دینا تھا۔ہر ایک اپنے طور پر زور شور سے انگریز سرکار کو اپنے مقصد کی طرف توجہ دلا کر اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔انگریزی تعلیم کی وجہ سے نوجوانوں میں غلامی اور آزادی کا فرق واضح ہوتے جارہا تھا۔اور وہ بھی نئے جوش کے ساتھ آزادی کی لڑائی میں شریک ہو رہے تھے۔ہندوستان کے کئی شہروں میں اسکولوں و کالجوں کا قیام عمل میں آچکا تھا۔عوام انگریزی تعلیم کی طرف بڑھتے جارہے تھے۔

دوسری طرف تمام راجا مہاراجا نانا صاحب پیشوا، تاتیا ٹوپے، بیگم حضرت

محل، رانی لکشمی بائی، کنور سنگھ سب مل کر بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کی تیاری کرر ہے تھے۔ تا کہ ہندوستان کو انگریزوں کے ہاتھ سے چھین کر واپس لیں۔ ۱۸۵۷ء کا غدر جو کہ ہندوستان کی ڈوبتی ہوئی حکومت کو انگریزوں سے واپس لینے کی ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس میں ہندوستان کو ناکامی ہوئی مگر یہ ہار بھی ایک انقلاب کا سرچشمہ ثابت ہوئی۔ زندگی کہ ہر میدان میں ایک انقلاب برپا ہوا۔ ہندوستانیوں کے لیے یہ دور ایک چیلنج کی حیثیت سے سامنے آیا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ قوم کو ایک قومی دھارے میں باندھنے کے لیے کئی لیڈر آپسی بھائی چارا اور قومی یک جہتی کو فروغ دے رہے تھے۔ اُن میں مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا حالی قومی یک جہتی کے جذبات کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم اور جدید تعلیم پر بھی زور دے رہے تھے۔ وہ سر سیّد کے حامیوں میں سے تھے۔

اورنگ زیب کے زمانے سے ہی مہاراشٹر اور شہر پونا میں مسلمان آ کر بس گئے تھے۔ ۱۸۱۷ء میں جب انگریزوں کے ہاتھوں پیشوا کی شکست کے بعد پونا انگریزوں کی سلطنت کا حصّہ بن گیا اور ۱۸۲۸ء میں پہلی بار پونا میں گورنمنٹ ہاؤس بنا تو بمبئ کے گورنروں نے برسات کا موسم یہی گزارنا شروع کیا۔ پھر حکومت بمبئ نے پونا کو موسم برسات میں اپنا دارالخلافہ بنایا۔ اُس وقت سے پونا کی اہمیت بڑھنے لگی۔ پونا میں کیمپ اور سول لائینس (contonment and civillines) سے پونا کی اہمیت اور ترقی بڑھتی گئی۔ آبادی بڑھنے لگی۔ کئی صوفی اور سنت جو آٹھارویں صدی میں پونا میں مقیم تھے۔ جن کی وجہ سے پونا میں مختلف ذاتوں کے لوگ ایک

دوسرے کے ساتھ میل ملاپ بڑھانے لگے تھے۔آپس میں بھائی چارا قائم ہو رہا تھا۔ پہلی دفعہ جب مردوم شماری کی گئی تب مسلمانوں کی تعداد 6% تھی۔جن میں بوہرہ زیادہ تھے۔۱۸۳۵ء میں میمن برادری یہاں تجارت کی ترقی کے لئے بس گئے۔آہستہ آہستہ وہ بڑھتے گئے۔یہاں انھوں نے زمینیں خریدی۔اپنی زمین کئی لوگوں نے اسکول کھولنے کے لیے دے دیں۔انگریزی،مراٹھی کے ساتھ ساتھ اردو اسکول بھی پونا میں قائم ہوئے۔مغل بادشاہوں کے دور میں سرکاری زبان فارسی تھی۔انگریزوں نے اپنے دور میں عدالتی زبان ہندوستانی یعنی اردو کو رکھا۔انگریز خود اردو زبان سیکھنے لگے۔پونا کے منشی غلام محمد (۱۸۲۴ء پیدائش) جو ایک گورنمنٹ اسکول میں اردو پڑھاتے تھے۔وہ انگریزوں کو اردو پڑھانے کا کام انجام دیتے تھے۔پونا میں انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے انگریزوں کی آمدورفت بھی بڑھ گئی۔انگریزی اسکول قائم ہوئے۔وقت کے ساتھ ساتھ سماج کی ترقی ہوتی گئی۔کئی سماجی رہنما سامنے آئے۔

۱۸۰۰ء صدی کے خاتمہ کے بعد کا دور جو بے اطمینانی کا دور تھا اور اسی دور نے کئی نایاب ہیروں کو دریافت کیا تھا۔اُنہی میں سے پھُلے خاندان کے میاں بیوی یعنی جیوتی باپھُلے اور ساوتری بائی پھُلے پیش پیش تھے۔جیوتی باپھُلے جنھوں نے مہاراشٹر میں دلت عوام کو ذلیل ہوتے ہوئے دیکھا تھا وہ خود کئی بار ایسے حالات کا شکار ہوئے تھے۔اسی لیے اُس درد و تکلیف کو جانتے تھے۔اونچی ذات والوں نے اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے کم تر لوگوں کو کس قدر پستی میں اتار دیا تھا۔یہ اُن کی اپنی قوم کا درد تھا جس نے اُن کے دِل میں ایک ناسور کی کیفیت برپا کر دی تھی۔وہ کسی بھی

حال میں اپنی قوم کے حالات تبدیل کرنا چاہتے تھے۔اور اس کے لیے انھیں ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو اُن کے شانہ بہ شانہ ساتھ رہ کر کام کریں اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں میں بھی شعور جگا دے۔ یہ مددگار انھیں ساوتری بائی کی صورت میں حاصل ہوا۔اور سماجی فلاح بہبودی کا ارادا مضبوط ہوتا گیا اور آخر کار پائے تکمیل کو پہنچ گیا۔جس سے سماج کی حالت بدل گئی۔ جو کام ناممکن تھا وہ ممکن ہو پایا۔اور ہندوستانی سماج ایک نئی راہ پر چل پڑا۔انھوں نے سب سے بڑا یہ کام کیا کہ دلت ہندو عورتوں کی تعلیم کی بنیاد رکھی تھی اور ساوتری بائی کے بغیر یہ مشکل کام ناممکن تھا۔

جہالت کا دور

مادر ہند نے اپنی آغوش میں زمانے قدیم سے کئی نسلوں کو سمولیا۔ جو پھلتی پھولتی آرہی تھیں۔ کئی قومیں کئی نسلیں اس ملک کا حصہ بنیں۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مادر ہند کی آغوش میں پرورش پانے والی نسلیں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھید بھاؤ کا برتاؤ کرنے لگے اور اپنے اس فعل میں وہ اس قدر پستی مین گرے کہ سرزمین ہند شرمندگی کے بوجھ سے جھک گئی۔

اُس زمانے میں ہندو سماج میں سختی کے ساتھ اونچ نیچ کا فرق پایا جاتا تھا۔ اونچی ذات کی نظروں میں کم ذات والوں کی حیثیت کسی کتے بلی سے زیادہ نہ تھیں۔ کسی کم ذات کا انھیں معمولی چھونا یا دھکہ لگنا بھی اُن کے لئے بہت بڑی بات تھی۔ انسان ہوکر بھی وہ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ درندوں جیسا سلوک کر رہے تھے۔ نہ انھیں تعلیم کی اجازت تھی نہ وہ مندر میں جاسکتے تھے یہاں تک کہ وہ اُنکے کنوؤں سے پانی بھی نہیں بھر سکتے تھے۔ ہندو سماج کا ایک حصہ ہوتے ہوئے بھی نہ انھیں بدن ڈھنا پنے کے لئے کپڑا ملتا نہ پیٹ بھر کھانا اور نہ تعلیم اس ناانصافی اور بے انتہا ظلم ستم کی وجہ سے سماج کی حالت ابتر تھی۔ حالات کے پیش نظر سماجی شعور بدلتا رہتا ہے۔ انسانی ذہن ہمیشہ ایک بہتر زندگی کی خواہش میں کوشاں رہتا ہے۔

پہلے مسلمانوں اور پھر انگریزوں کی آمد نے اُن کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا۔ اپنے سماج کی ابتر حالت خاص کر ایک طبقہ کے لوگوں پر بڑھتی ظلم کی شدت نے سماج میں ایک نئی سوچ پیدا کردی۔ اس سوچ کو راستہ انگریزوں کی پالیسی اور قانون

نے میسّر کیا۔ انگریزوں نے ہندوستانیوں کو غلام بنانے کے ساتھ ساتھ نئی تکنیک اور سائنسی ایجادات کا استعمال کیا اور نئی تعلیم کا انتظام خواہاں انھوں نے اپنے مقصد کے لئے کیا ہو۔ مگر وہ ہندوستانیوں کے لئے ایک نئی راہ کا باعث بنا۔

انگریزوں نے تعلیم کو عام کیا فرسودہ رسم ورواجوں پر پابندیاں لگائیں۔ عوام میں ہونے والی چھوت چھات کو کافی حد تک دور کیا۔ عام لوگوں کو بھی تعلیم کا حق دیا۔ تعلیم حاصل کرنا اونچی ذات والوں کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی مگر کم ذات والوں کا تعلیم حاصل کرنا آگ کا دریا پار کرنا ثابت ہوا۔ نہ وہ سب کے ساتھ مل کر بیٹھ سکتے تھے اور نہ ہی ایک کمرے میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ ایسے ماحول میں تعلیم حاصل کر کے اپنے ارادوں کو مضبوط کرنے والے مراٹھا نوجوان کا نام تھا ''جیوتی با پھُلے'' جو پھُلے خاندان کا چشم و چراغ تھا جن کے والد نے اُن کی خواہش کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے اور انھیں انگریزی اسکول میں تعلیم دلائی تھی لوگوں نے مخالفت کی مگر انھوں نے اپنے بیٹے کی ضد کو پورا کیا۔ مرد حضرات تو کسی نہ کسی طرح اپنی خواہش پوری کر لیتے تھے۔ مگر عورتوں کے لیے تعلیم کا حاصل کرنا یا اپنے حق کے لیے آواز اُٹھانا بہت ہی مشکل تھا۔ دلت عورتوں کی تعلیم ایک خواب کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسی جہالت سے پُر ماحول میں ہندو عورتوں کے لئے ایک امید کی کرن جیوتی با کے گھر میں روشن ہوئی۔ جو آگے چل کر کرانتی جیوتی ساوتری بائی پھُلے کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اس انقلابی خاتون نے اپنی محنت اور لگن سے بھارت اور خاص کر مہاراشٹر کی تاریخ کو نیا موڑ عطا کیا۔ مہاراشٹر سے جہالت کے اندھیرے کو کس حد تک کم کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

ساوتری بائی کی پیدائش

پونے ستارا شاہرہ پر شرول سے تین کیلومیٹر پر یہ ایک چھوٹا گاؤں ہے۔ کم آبادی والا یہ گاؤں شیرول، کیسرواڑی، وڑگاؤں، پلشی اور سانگوی سے جڑا یہ گاؤں پہاڑوں سے گھرا ہے۔ جابجا قدرتی نظارے بکھرے تھے۔ گاؤں میں بہت کم گھر آباد تھے اسی لیے لوگ ایک دوسرے سے بہ خوبی واقف تھے۔ ۱۷۷۴ء میں نائے گاؤں کے پاٹل ملہار راؤ تھے میٹھی زبان و بارعب شخصیت کی وجہ سے سب پر اُن کی چھاپ تھی۔ گاؤں کا کاروبار وہ اچھی طرح چلاتے تھے۔ ان کی دو اولادوں میں ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا۔ ۱۸۱۱ء میں والد کی وفات کے بعد اُن کا لڑکا سدوجی گاؤں کے پاٹل ہوئے اُن کا بیٹا جو کھنڈوجی نیو سے جو ساوتری بائی کے والد تھے۔ کھنڈوجی کو تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ ساوتری بائی نائے گاؤں ضلع ستارا کے کھنڈالا تعلقہ میں تین جنوری ۱۸۳۱ء کو پیدا ہوئی۔ ساوتری کی ماں کا نام لکشمی بائی تھا۔

ساوتری اپنی ماں کی طرح گوری، نازک اور خوبصورت تھی تو والد کی طرح مضبوط اور صحت مند تھی۔ چار سال کی عمر سے ہی وہ سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی۔ جو بھی نئی بات ہوتی وہ اپنی ماں سے سوال جواب شروع کر دیتی ماں بیچاری بھولی عورت تھی وہ بہت جلد ہی ساوتری کی باتوں سے پریشان ہو جاتی۔ انھیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنی بیٹی کو کیسے مطمین کرائے۔

چھ سال کی عمر سے ہی ماں نے ساوتری سے کہنا شروع کیا کہ اب تم گھر کے

کاموں کی عادت ڈال دو۔کل کو تمھیں پرائے گھر جانا پڑے گا۔تب ساوتری نے سوچا کہ گھر کے کام کیا مشکل ہے۔یہی سوچ کر وہ اکثر باہر کھیلنے کے لئے چلی جاتی تھی۔ اگر ماں غصہ ہوتی تو لاڈ سے اپنے والد کے پاس بیٹھ جاتی تھی۔ماں کے مقابلہ میں وہ اپنے والد سے زیادہ قریب تھی۔

ساوتری بائی کا بچپن

ساوتری نے بچپن سے ہی ہمدرد طبیعت پائی تھی۔ وہ کمزوروں کی مدد کرتی اور مدد کر کے خوشی محسوس کرتی تھی۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ وہ اپنے ہم جولیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہی پر ایک چھوٹا لڑکا ہاتھ میں بہت خوبصورت پھول لیے بیٹھا تھا۔ پھول اس قدر خوبصورت تھا کہ دیکھتے ہی کسی کا بھی دل للچائے۔ وہی کھڑے ایک بڑے لڑکے نے چھوٹے لڑکے کے ہاتھ سے پھول چھین لیا۔ پھول لیتے ہی چھوٹا لڑکا مچل کر رونے لگا۔ کھیلنے والے سب بچّے رونے کی آواز سُن کر اپنی جگہ کھڑے رہ گئے کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ درمیان میں پڑیں۔ مگر ساوتری نے جب یہ دیکھا تو برداشت نہ کرسکی، وہ بڑے لڑکے کے پاس جاکر بولی کیوں تم نے چھوٹے سے پھول چھینا، واپس کردو پھول۔ یہ سُن کر بڑا لڑکا بگڑ گیا اور کہنے لگا تم کون ہوتی ہو مجھے یہ کہنے والی تم کیا اُس کی بہن لگتی ہو۔ یہ سُن کر ساوتری غصہ سے بولی ''ہاں میں اُس کی بہن ہو، اب تمھیں کیا کہنا ہے، چلو پھول واپس کرو اور یہاں سے چلے جاؤ۔'' یہ کہہ کر پھول اُس کے ہاتھ سے لے کر روتے ہوئے لڑکے کو دے دیا۔ وہ خاموش ہوگیا۔ یہ دیکھ کر بڑا لڑکا وہاں سے کھسک گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے دوسروں کو ستانے والے شرارتی بچّے ساوتری سے دور رہنے لگے۔ اور کمزور بچّے ساوتری کے دوست بنتے گئے۔ اب وہ جیسے کمزوروں کی لیڈر بن گئی۔ جب بھی کسی بچّے کو کوئی پریشان کرتا وہ فوراً مدد کے لیے ساوتری کے پاس آجاتا اور ساوتری بھی اُس کی مدد

کے لیے دوڑ پڑتی۔

ساوتری بہادر و نڈر تھی۔ لڑکوں کی طرح دوڑنا کھیلنا پسند کرتی تھی۔ یہ دیکھ دیکھ کر ساوتری کی ماں کڑھتے رہتی، بڑبڑاتے رہتی کہ دوسرے کہ گھر جانے والی لڑکی ہے، ذرا جو چین سے گھر میں ٹک کر بیٹھے۔ وہ اکثر ٹوک دیا کرتی یا اُن کے والد سے شکایت کرتی تو وہ ہنس کر بات ڈال دیتے۔ ایک بار ساوتری اپنی سہلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہاں درخت پر ایک گھوسلہ تھا۔ جس میں انڈے رکھے تھے۔ اُسی وقت ایک سانپ آکر انڈے کھانے کے لیے لپکا۔ یہ دیکھ کر ساوتری نے ایک بڑا پھتر اُٹھایا اور نشانہ تاک کر مارا۔ زور سے پھتر کی ضرب کھا کر سانپ بل کھا کر پلٹا اور نیچے کی طرف آگرا۔ یہ دیکھ کر سب بچے ''سانپ۔۔سانپ'' کہتے ہوئے گاؤں کی طرف دوڑ پڑے۔ مگر ساوتری بھاگنے کی بجائے ایک بڑا ڈنڈا لیے اُس پر ٹوٹ پڑی اور ساتھ ساتھ کہتے جاتی کہ ''غریب پرندوں کے انڈے کھا رہا تھا، تم کو شرم نہیں آتی، کھائے گا اب کبھی انڈے'' کہہ کر مارتی جاتی۔ بچوں کے واویلا کرنے سے سب گاؤں جمع ہوا۔ اُن کے والد نے گھبرا کر ساوتری کو گود میں لے لیا۔ اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمدردی میں کسی کی مدد کرتے وقت وہ اپنے جان کی پرواہ بھی نہیں کرتی تھی۔

ساوتری کو درخت پر چڑھنا بہت اچھا لگتا تھا۔ کبھی وہ املی کے درخت پر چڑھ جاتی تو کبھی جامن کے درخت پر، ایسے ہی ایک دِن وہ جامن کے درخت پر چڑھ کر جامن توڑ رہی تھی جس ٹہنی پر وہ کھڑی تھی وہ نازک تھی ایک ہاتھ سے جامن توڑ کر اپنے لہنگے کی جیب میں ڈالتی جا رہی تھی۔

اسی وقت وہ ٹہنی ٹوٹ گئی ساوتری نے جلدی سے اوپر کی ٹہنی پکڑ لی اور زور زور سے چیخ ماری "ماں ماں مجھے بچاؤ، میں اب گر جاؤں گی۔" ماں جو کھانا بنانے میں مصروف تھی وہ آواز سُن کر باہر آئی۔ ساوتری کو اوپر لٹکے دیکھ کر گھبرا کر اپنے شوہر کو آواز دی اور کہا تمہاری لاڈلی کی حرکت دیکھی۔ ساوتری کے والد مسکرانے لگے اور ساوتری کو نیچے اتار دیا۔ ماں بڑبڑا رہی تھی کہ اس قدر بڑی ہوگئی ہے شادی کی عمر ہے اگر ہاتھ پیر ٹوٹ گیا تو کون شادی کریگا۔ مگر ساوتری پر اِن باتوں کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ اپنی ماں سے کہنے لگی کہ جامن کتنے میٹھے ہیں کھا کر تو دیکھو ساوتری نے ماں کے زور دینے پر گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا شروع کیے۔ گھر کے جانوروں (گائے بکری) کو سنبھالنا، دودھ دوہنا اور گھر کے کاموں میں والدہ کی مدد کرنا یہ روز کا معمول بنالیا تھا۔ بچپن سے ہی ساوتری کی خوبیاں اُجاگر ہونا شروع ہوئی۔

ساوتری کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا مگر اُس وقت تعلیم کا کوئی رواج نہ تھا اس لئے ساوتری گھر کے کاموں میں دل و جان سے جُٹ گئی۔ ایک بار والدہ نے کہا کہ میں دودھ نکالتی ہو جب تک تم گھر کے کام کرلو۔ یہ سنتے ہی ساوتری نے کمر کس لی۔ جھاڑو لگائی، برتن صاف کیے، پانی پینے کا برتن بھر دیا اور اب آگے کے کام کے لیے یعنی پکانے کے لیے چولھا جلانا ضروری ہے یہ سوچ کر چولھے میں لکڑیاں ڈال دی پھر اُس پر راکیل ڈال دیا اور آگ لگائی چولھا بھڑک اُٹھا مگر ڈر کر دور ہٹنے کی بجائے وہ پھونکنی سے پھونکتی رہی۔

آنکھوں میں سے پانی جاری ہوا۔ کھانسی الگ پریشان کر رہی تھی مگر وہ بہت توجہ سے چولہا جلانے کی فکر میں ہلکان ہوئے جا رہی تھی۔ اُسی وقت والد گھر میں آئے

اور یہ دیکھ کر قریب آ کر اپنے پاس بیٹھایا آنکھوں کا پانی صاف کیا اُسی وقت ماں بھی دودھ لے کر آ گئی۔ ساوتری کے والد غصّے میں آئے۔ (انھیں لگا کہ ساوتری ماں کے کہنے پر ہی یہ کام کر رہی تھی) اور لکشمی بائی پر برس پڑے۔ لکشمی بائی نے کہا کہ میں نے چولھا جلانے کے لیے نہیں کہا تھا۔ ساوتری نے کہا کہ گھر کے کام کرنے کے لیے کہا اس میں چولھا جلانا بھی آتا ہے۔ اس پر والد نے پیار سے سمجھایا کہ کام اپنی عمر کے لحاظ سے کرنے چاہیے۔ جب بڑی ہو جاؤ تب چولھا جلانا۔

اِن تمام واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساوتری کو جھوٹ بولنا پسند نہ تھا۔ وہ بہادر تھی، کمزوروں کی دوست تھی اگر کوئی طاقت ور کسی کمزور کو نشانہ بناتا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو کر اُن کی پٹائی کرتیں اسی لئے کمزور بچّے اُن کے دوست بنتے گئے۔ یہی خوبی آگے چل کر سماجی کاموں میں مددگار ثابت ہوئی۔ وہ بہترین نشانے باز اور اچھی تیراک تھی بہت جلد وہ اپنے ساتھ کے بچّوں کی لیڈر بن گئی۔ اُس زمانے میں بہت کم عمر میں لڑکیوں کی شادیاں ہو جاتی تھی مگر اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے وہ اپنے والد کی لاڈلی تھی والد اپنی بیٹی کو نظروں سے دور نہ ہونے دیتے تھے۔

لکشمی بائی ایک نرم طبیعت کی بھولی خاتون تھی۔ انھیں اپنے بیٹی کی یہ حرکتیں عجیب لگتی۔ وہ سوچتی کہ لڑکی ذات میں اس قدر بہادری نہیں ہونی چاہیے۔ لڑکیوں نے گھر میں بیٹھ کر صرف گھر کے کام کرنے چاہیے تو انھیں اچھے رشتے آتے ہیں۔ وہ ماں تھی گھبرا جاتی کہ کہی گر پڑ کر کوئی جسمانی نقصان نہ ہو جائے جس کی وجہ سے ساوتری کی شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ اسی لیے وہ اکثر اپنی بیٹی کو سمجھاتی رہتی۔

ایک مرتبہ ساوتری شرول کے بازار گئی وہاں پر اُس نے عیسائی

مبلغ کو دیکھا وہ پادری سے ملی پادری نے ساوتری کو بسکٹ اور ایک کتاب دی۔ واپسی پر جب اُن کے والد نے یہ چیزیں دیکھی تو بہت غصہ ہوئے وہ چیزیں لیکر کچرے میں پھینک دی اور اسی وقت انھوں ساوتری کی شادی کا فیصلہ کیا۔ ساوتری کے لیے رشتے کی تلاش شروع ہوئی۔ دھن کوڑی کے پاٹل کی بیٹی سگونا جو جوتی با کی خالہ زاد بہن تھی اور اُن کے لئے لڑکی کی تلاش میں تھی۔ نائے گاؤں کے پاٹل سے اُن کی رشتے داری تھی اسی طرح ساوتری بائی کا رشتہ جوتی با سے طے ہوا۔

ساوتری بائی کی کم عمر میں ہی شادی طے ہوئی تھی۔ وہ سوچتی کہ شادی کے بعد وہ شہر جائے گی۔ وہاں ٹانگے میں بیٹھے گی۔ کبھی وہ سوچتی کہ جن سے شادی ہو رہی ہے کیا وہ املی کے درخت پر چڑھ سکتے؟ یا صرف کتابیں پڑھتے ہو گے؟ اس طرح کے سوالات ساوتری بائی کے ذہن میں آتے تھے۔

ساوتری بائی کی شادی

گووندراؤ کے لڑکے جیوتی با جو اُس زمانے کے پڑھے لکھے لڑکوں میں شمار ہوتے تھے۔ جب تعلیم عام نہ تھی۔ بنیادی تعلیم انھوں نے حاصل کی تھی۔ وہ جلدی شادی کرنے کے حق میں نہ تھے آگے اور انگریزی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر اُن کے والد نے اُن کے لیے نائے گاؤں کے پاٹل کی لڑکی ساوتری کو پسند کیا۔

۱۸۴۰ء میں اُن کی شادی ہوئی اُس وقت ساوتری (۹) سال اور جوتی با (۱۳) سال کے تھے۔ شادی کے دِن ساوتری بائی جو کہ منڈپ میں بیٹھی تھی اس وقت انھیں کیڑے نے کاٹا وہ زور سے چیخ پڑی ''ماں مجھے کیڑے نے کاٹا'' یہ سُن کر والدہ فوراً آئی اور کہا ''اس طرح لڑکی ہو کر کیوں چیخ رہی ہو تمہاری شادی ہو رہی ہے لوگ کیا کہے گے۔'' جیوتی با جو قریب ہی کھڑے یہ سُن رہے تھے کہنے لگے ''لڑکی ہے تو کیا ہوا۔ کیا لڑکیوں کو درد یا تکلیف نہیں ہوتیں، غصّہ کرنے کی بجائے آپ دیکھ لیں۔'' یہ سُن کر ساوتری کو خوشی ہوئی کہ جس سے اُن کی شادی ہو رہی ہے اُن کے خیالات عورتوں کے بارے میں اچھے ہیں۔

ساوتری بائی کی عمر کم تھی۔ سسرال میں ماحول اچھا تھا۔ وہ پڑوس میں اپنی عمر کی لڑکیوں سے کھیلتی تھیں۔ ۹ سال کی عمر میں کہاں اتنی سمجھ ہوتی ہے کہ یہ سسرال ہے۔ اسی لیے ساوتری کا زیادہ وقت کھیل میں صرف ہوتا تھا۔ مگر کبھی اُن کے سسر نے منع

نہیں کیا۔ وہ بیٹی کی طرح ساوتری بائی کو چاہتے تھے۔ جب کسی کام کی ضرورت ہوتی تب آواز دیکر بلا لیتے تھے۔

ساوتری بائی کو پتہ چلا کہ جیوتی با اسکول کو جاتے تھے مگر کچھ دِن ہوئے اُن کے والد نے اسکول جانے سے منع کیا۔ ساوتری بائی تعلیم سے نا آشنا تھی۔ مگر وہ یہ جانتی تھی کہ تعلیم حاصل کرنا اچھی بات ہے اور انھیں بھی پڑھنے کا شوق تھا۔

جیوتی با پھلے

گووندراؤ جن کا خاندانی نام گورہے تھا۔ انھیں ایک لڑکا تھا جس کا نام راجا رام تھا۔ ۱۸۲۷ء ستارا میں گووندراؤ کو دوسرا لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام جیوتی با رکھا گیا۔ جیوتی با جب نو مہینے کے تھے تب اُن کی والدہ کا انتقال ہوا۔ گووندراؤ اپنے بیٹے سے بہت محبت کرتے تھے۔ بچے چھوٹے ہونے کی وجہ سے گووندراؤ نے دوسری شادی کی۔ جیوتی با کی خالہ زاد بہن سگونا نے بھی جیوتی با کی دیکھ بھال کی۔ گووندراؤ ذات کے مالی تھے۔ پھولوں کی تجارت کرتے تھے۔ اسی لئے وہ پھلے کہلائے۔ جیوتی با بہت ہی ذہین اور محنتی تھے۔

گووندراؤ نے جیوتی با کی تعلیم کے لیے ایک استاد رکھا۔ جو گھر آکر انھیں مراٹھی پڑھاتے تھے۔ صوفی غفور شاہ قادری شطاری مہاتما پھلے کے فارسی کے استاد تھے۔ جیوتی با تکارام کے بھگت تھے۔ اسی لیے انسانیت کے حامی تھے۔ اُس وقت اُن کے آس پاس اور ہندوستان میں نچلی ذات کے ساتھ ہونے والی ناانصافی سے بہ خوبی آگاہ تھے۔ وہ طبقاتی تفریق کے خلاف تھے جس میں نچلی ذات کی حیثیت جانور سے بھی کم تھی۔ وہ سماج کے اس ڈھانچے کو بدل دینا چاہتے تھے۔ اور اس کے لیے تعلیم بے حد ضروری تھی۔ جیوتی با تعلیم کے شوقین تھے آگے اور انگریزی تعلیم بھی حاصل کرنا چاہتے تھے۔

جیوتی با کی چاہت کو دیکھتے ہوئے گووند راؤ نے انھیں ایک عیسائی مشنری اسکول میں داخل کرایا۔ جس سے اُن کے خاندان والے و دیگر لوگ سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ شاستروں میں شودروں کو تعلیم حاصل کرنا منع ہے۔آپ کے بیٹے نے تعلیم حاصل کی تو آپ کا دھرم ڈوب جائے گا، وہ عیسائی بن جائے گا اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ کا خاندان بھی برباد ہو جائے گا۔ یہ سب لوگوں سے سُن سُن کر گووند راؤ نے سماج کے ڈر سے انھیں اسکول سے نکال کر کھیتوں کے کام میں لگا دیا۔ چند دِنوں بعد اُن کی شادی ساوتری بائی سے ہوگئی۔ سگونا نے جب یہ دیکھا کہ جیوتی با کو تعلیم کا شوق دبا کر کھیتوں میں جانا پڑ رہا ہے اور وہاں جا کر بھی وہ اپنے خالی وقت میں ہاتھ میں کوئی کتاب لیے پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اُن کی یہ حالت دیکھ کر وہ رنجیدہ ہو جاتی، سگونا کو جیوتی با سے بہت محبت تھی۔ مگر وہ اُن کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی وہ خود ایک بے بس عورت تھی مگر وہ پڑھائی کی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی۔

سگونا نے جیوتی با کا ذکر گووند راؤ کے دوستوں سے کیا جن کی بات گووند راؤ بہت مانتے تھے۔اُن کے یہ خاص دوست اُن کے پڑوس میں ہی رہتے تھے۔ وہ لوگ بھی جیوتی با کی تڑپ اور لگن دیکھ رہے تھے۔ گووند راؤ کے پڑوسی منشی غفار بیگ جو کہ ایک پڑھے لکھے انسان تھے۔ اردو، عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی کے ماہر بھی تھے اور ایک دوسرے عیسائی پڑوسی مسٹر لیجٹ (یہ بھی گووند راؤ کے دوست تھے) اِن دونوں نے گووند راؤ کو سمجھایا کہ وہ کسی کی بھی باتوں میں آ کر اپنے ذہین بیٹے کو تعلیم سے محروم نہ کریں۔ یہ دونوں حضرات گووند راؤ کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے گووند راؤ کو بہت سمجھایا اُن کی بات گووند راؤ کے دِل کو بھا گئی اور وہ جیوتی با کی

آگے تعلیم کے لیے راضی ہوئے۔ مگر اسکولوں میں داخلے بند ہو چکے تھے۔اب آگے کے سال ہی داخلہ ہونا تھا۔

منشی غفار بیگ نے جب یہ حالت دیکھی تو خاموش نہیں بیٹھے۔انھوں نے سوچا کہ تھوڑی بھاگ دوڑ کر کے اگر داخلہ مل جائے تو جیوتی با کا سال ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ یہ سوچتے ہی انھوں نے بھاگ دوڑ شروع کی۔ اسکول سے معلومات لیکر وہ پونے کے کلکٹر سے ملے۔اُن سے اپنی بات منوائی اور اُن کی سفارش حاصل کر کے اسکوائش میشن اسکول میں جیوتی با کا داخلہ کرادیا۔اُس وقت جیوتی با کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ ساتوی جماعت تک ابتدائی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔

۱۸۴۲۔۴۳ء سے دوبارہ اُن کی تعلیم شروع ہوئی۔جیوتی با بہت خوش ہوئے۔انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ شاید اب وہ کبھی تعلیم نہ حاصل کرسکیں گے۔ مگر منشی غفار بیگ کی بدولت اب وہ دوبارا اپنی تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے،شاید اسی لیے تاریخ دانوں نے کہا ہے کہ جیوتی با کو مہاتما بنانے میں منشی غفار بیگ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔

ایک بار جیوتی با پھلے اپنے ایک دوست کی شادی میں گئے۔ وہاں پر کسی نے اُن کی بے عزتی کی کہ وہ کم ذات ہوکر کیوں اونچی ذات کے لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہیں اس بے عزتی پر وہ ناراض ہوکر گھر آگئے۔ جب گھر میں اُن کے والد اور ساوتری بائی نے انھیں اس قدر غصہ میں دیکھا تو وجہ پوچھی تب انھوں نے کہا کہ شادی کی دعوت پر بلایا گیا تھا اسی لئے گیا مگر وہاں بے عزتی ہوئی۔ سب سُن کے اُن کے والد نے کہا کہ ہم کم ذات ہے تم کیوں اُن کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ سُن کر جیوتی با غصّے سے بولے" ہم

بھی انسان ہیں، میں اب یہ سب برداشت نہیں کرسکتا، اِن اونچی ذات کے لوگوں نے ہمیں تعلیم سے دور رکھا، ہمارا کوئی حق تسلیم نہیں کرتے، ہمارے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔انسان انسان میں فرق رکھتے ہیں، اسی لئے اب ہم سب کو تعلیم حاصل کرنا ہوگی، تب ہی ہمارے سماج سے غربت اور ذلّت دور ہوگی، اب میں اپنی ساری زندگی اسی کام کے لئے صرف کروں گا۔" ساوتری بائی نے اپنے شوہر کے غصّے کو کم کرنے کی کوشش کیں۔اُن کے والد نے بھی انھیں سمجھایا۔

جیوتی با کے دِل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اب وہ تعلیم کے ذریعے اپنی اور اپنے قوم کی حالت بدل کر رہے گے۔اُن سے یہ بے عزتی بھلائے نہیں بھول رہی تھی۔انھوں نے جب اپنے چاروں طرف نظر کی تو اپنی قوم کے لوگوں کو اپنے سے زیادہ غربت اور ذلّت کی زندگی جیتے ہوئے دیکھا۔جیوتی با کے والد پونے کے ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تھے۔اُن کی تجارت اچھی چل رہی تھی۔رہنے کے لیے ایک اچھا گھر تھا۔کسی بات کی تکلیف نہ تھی۔مگر دیگر دوسرے دلت لوگوں کی حالت بہت خراب تھی بہ مشکل انھیں پیٹ بھر روٹی ملتی وہ بھی سخت محنت و ذلّت کے بعد اِن حالات نے جیوتی با کے اندر اپنی قوم کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگانے کا جذبہ بیدار کیا۔سماج میں ہونے والی نا انصافی نے انھیں بے چین کر دیا۔چھوت چھات، ذاتی بھید بھاؤ، سماج کے ایک مخصوص طبقہ کے لیے نچلی سطح کے کام کو فرض بنا کر نسل در نسل وہی کام کرانا، ایک مخصوص طبقہ کی برتری، زندگی کے ہر معاملے میں انھیں اونچا رکھنا اور دولت بھی صرف مخصوص لوگوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

عورتوں کی حالت تو اور بھی بُری تھی۔عورت کو سماج کے سب سے کمزور رکن

کا درجہ حاصل تھا۔ اسے کسی بھی قسم کی برتری حاصل نہیں تھی۔ معاشی، سماجی، مذہبی اور تعلیمی امور میں کسی بھی میدان میں اُسے برتری تو کیا مساوی درجہ بھی حاصل نہ تھا۔ دلت عورتوں کی حالت تو نا قابل بیان تھیں۔ اُن کی زندگی کسی عذاب کی طرح گزرتی تھیں۔ گھر ہو یا باہر وہ کسی اضافی بوجھ کی طرح سسک سسک کر جی رہیں تھیں۔ اِن سب حالات نے جیوتی با کے سوچ کے دھارے کو بدل دیا۔ اُن کی زندگی جیسے کانٹوں پر گزرنے لگی۔ انھیں اپنی زندگی سے زیادہ اپنے قوم کی زندگی کے بقا کی فکر لاحق ہوئی اور قوم کا دُکھ انھیں رلانے لگا۔

ساوتری بائی اپنے شوہر کی یہ حالت دیکھ رہی تھی۔ سماجی خدمت کا جذبہ اُن کے اندر تو بچپن سے پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ خود سماج کی حالت بدلنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی انھیں کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی اور یہ سہارا انھیں جیوتی با کی صورت میں مل گیا تھا اور وہ اپنے آپ سے جیسے عہد کر رہی تھی کہ وہ ہر حال میں اپنے شوہر کا ساتھ دے گی۔ چاہے اس کے لیے انھیں کچھ بھی کرنا پڑے۔

منشی غفار بیگ کے سلوک کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے قریب آگئے تھے۔ جیوتی با کے دوستوں میں عیسائی بھی تھے اور مسلمان بھی، جیوتی با نے جب اُن لوگوں کے آپس میں اس شدّت سے بھید بھاؤ ہوتے نہیں دیکھا جس شدّت سے اُن کی قوم میں ہوتا تھا۔ انھوں نے عیسائی مذہب کی معلومات بھی لی اور اسلام مذہب کی معلومات بھی وہ اپنے دوستوں کے بدولت اسلام کو اور بھی اچھے سے جان پائے۔ وہ اسلامی تعلیمات، مساوات اور آپس میں کسی بھی قسم کا بھید بھاؤ نہ رکھنے پر اسلام سے متاثر تھے۔ انھوں نے نبی ﷺ کی شخصیت سے متاثر ہو کر ایک پواڑا ''مانو محمد'' لکھا جو

کہ ایک نعتیہ کلام ہے۔ بہت ہی خوبصورت انداز میں لکھی یہ نعتیہ کلام جیوتی باپھلے کی اسلام سے عقیدت اور نبی ﷺ سے محبت کا ثبوت ہے۔ اس پواڑا کا اردو ترجمہ ابراھیم فیض نے کیا ہے۔

محمدؐ جو دنیا میں تشریف لائے
اُجالوں میں بدلے اندھیروں کے سائے
خدا سے تعلق کچھ اس طرح جوڑا
بتوں کی پرستیش سے منہ اپنا موڑا
کہا جھوٹ سے اپنا دامن بچالو
خدا سچ ہے بس اس کو اپنا بنالو
خیالی بتوں کے خیالوں کو چھوڑو
بھلائی کی جانب ارادوں کو موڑوں
محمدؐ بڑھے دین وایمان لے کر
پیام اخوت وقرآن لے کر
کہا ایک ہے ایک خالق تمہارا
اسی کی بدولت یہ عالم ہے سارا
زمین آسمان چاند سورج ستارے
اسی کے اشارے پہ چلتے ہیں سارے
اسی ایک خالق کی مخلوق ہم سب
وہی سب کا مالک ہی سبّ کا ہے رب

سوا اس کے معبود کوئی نہیں ہے
سوا اس کے مسجود کوئی نہیں ہے
اسی کا میں آیا ہوں پیغام لے کر
تمہارے بھلائی کا انعام لے کر
محمدؐ حقیقت کے پیکر محمدؐ
محمدؐ صداقت کے پیکر محمدؐ
محمدؐ نے فرمایا اللہ اکبر
محمدؐ نے پہنچایا اسلام گھر گھر
محمدؐ سدا گامزن سادگی پر
تصدیق ہے جان آپ کی زندگی پر
محمدؐ کے دل میں خیال خدا تھا
محمدؐ کے دل میں جمال خدا تھا
محمدؐ نے نقش دوئی کو مٹایا
محمدؐ نے سب کو گلے سے لگایا
جہالت سے پستی سے اوپر اُٹھایا
محمدؐ نے انساں کو انساں بنایا
محمد کی انسانیت رنگ لائی
تو ہر سمت سے یہ آواز آئی
خدا ایک ہے ساری اُس کی خدائی

کہ دنیا کے انسان ہیں بھائی
نہ مانے مگر اہل مکہ نہ مانے
محمدؐ پر کھل کر لگے ظلم ڈھانے
جو بڑھ گئی دشمنوں کی عداوت
بحکم خدا کی محمدؐ نے ہجرت
مدینے میں حق کا ہوا بول بالا
مدینے سے دنیا میں پھیلا اجالا
مغل ہند میں حکمراں بن کر آئے
محمدؐ کا پیغام وحدت بھی لائے
نجی دشمنوں سے یوں پیچھا چھڑایا
محمدؐ نے چل کر مدینہ بسایا
یہاں آریہ بااثر تھے سراسر
سمجھتے تھے شُدروں کو حیوان سے بدتر
مسلماں نے شُدروں کو اپنا بنایا
انھیں دے کے عزت گلے سے لگایا
جو کھتری یہاں تھے شجاعت کے پیکر
رہے اہل ایماں کے وہ دوست بن کر
وہ جس طرح ہولی دیوالی مناتے
اسی طرح سے تعزیے بھی بیٹھاتے

دلوں کو جو جوڑے وہی دھرم سچا

جو نفرت کو چھوڑے وہی دھرم سچا

جو دھرم اور وشواس کی آڑ لے کر

لڑاتے ہیں لوگوں کو آپس میں اکثر

ہے اپنے بھی اُن کی نظر میں پرائے

یہ اُن کی ادا جانے کیا رنگ لائے

سنو کھول کر کان جوتی کا کہنا

کہ بہتر ہے ایسوں سے ہشیار رہنا

مندرجہ بالا نظم پڑھ کر یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ جیوتی با پھُلے نے اسلام کا اور نبی ﷺ کی شخصیت کا مطالعہ کیا تھا اور وہ اسلام سے متاثر تھے۔

جیوتی با نے تعلیم حاصل کر کے اب اپنی قوم کی لڑکیوں کے لیے خاص کر دلت لڑکیوں کے لیے اسکول کھولنے کا فیصلہ کیا۔ پونے میں اور پونے باہر انھوں نے کئی اسکول کھولیں۔ اسکول کے کاموں کے علاوہ اب سماجی کاموں میں بھی ملوث ہوئے۔ انھوں نے ستیہ شودھک سماج کی بنیاد ڈالی۔ اب اُن کا زیادہ تر وقت سماجی کاموں میں گزرنے لگا۔ ایک یتیم بچے یشونت کو گود لے کر اُسے اولاد کی طرح پیار کر کے تعلیم دِلائی۔ جیوتی با کا زیادہ تر وقت فلاحی کاموں میں بسر ہوتا تھا۔ فلاحی کاموں کے لیے روپوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے حکومت کے کنسٹرکشن کے کام میں چونا، پتھر وغیرہ پہنچانے کا کام اپنے ذمّہ لینا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے اُن کی مالی حالت میں بہتری ہوئی۔ کاترج کا غار (بوگدہ)، یروڈہ کا پُل

اور بند کا کام اپنے ذمہ لیا۔ کئی دنوں تک وہ پونے شہر میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی رہے۔ تب کئی فلاحی کام کیے۔ جونا گنج پیٹھ جہاں وہ رہتے تھے۔ وہاں کے راستے کا کام کیا۔ جیوتی با کی دکان تھی۔ جہاں وہ بیٹھتے تھے۔ اکثر ملنے ملانے والے وہی آتے تھے۔ یا تو پھر اُن کے گھر میں محفل جمتی تھی۔ جہاں سماج کی فلاح و بہبودی پر چرچا ہوتے رہتی۔

جیوتی با لڑکوں کے لیے مردانی کھیل کو پسند کرتے تھے۔ انھوں نے لڑکوں کا جو ہاسٹیل کھولا تھا۔ وہاں پر لڑکوں کو ورزش، مردانی کھیل، کشتی اور نشانہ بازی سیکھاتے تھے۔ وہ لڑکوں کی پڑھائی کے علاوہ اُن کے کھیل اور تربیت پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔ اسی لیے اُس وقت کے اچھے گھروں کے والدین بھی اپنے لڑکوں کو پڑھائی کے لیے اُن کے پاس پونے میں بھیجتے تھے۔ مانجری میں انھوں نے کھیت لیا تھا۔ جہاں وہ پھل اور پھولوں کی پیداوار کرتے تھے۔ وہی گھر بھی بنایا تھا۔ اکثر تعطیل وہ اپنے خاندان کے ساتھ وہاں مناتے تھے۔ جیوتی با پھلے نے دلت لوگوں کے لیے اپنی زندگی وقف کردی۔ یونہی نہیں وہ مہاتما کے لقب سے جانے جاتے ہیں۔ جس کام کا انھوں نے سوچا، اُس کے لیے انھوں نے زندگی بھر محنت کی، لوگوں کے طعنہ وگالیاں بھی سُنی مگر وہ اپنے مقصد پر ڈٹے رہے۔ بھٹوں اور برہمنوں کی مخالفت کر کے جیسے سارے زمانے سے دشمنی کرلی۔ باہر کے لوگوں کے علاوہ اُن کے اپنے ہی خاندان کے لوگوں جانی دشمن بن گئے تھے۔ مہاراشٹر کی تاریخی دھاروں کو موڑنے والے جیوتی با پھلے نے مہاتما جیوتی با پھلے بننے تک کا کانٹوں بھرا سفر ہنسی خوشی طے کیا اور کمزور طبقے کے لوگوں کے حالات کو بدلنے کی بھرپور کوشش کی اور آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی یہ پیغام اپنی چھوڑی ہوئی ادبی تصانیف کے ذریعے دیا۔

سگونا بائی شیر ساگر

جیوتی با پھلے کی ماں کا انتقال ہونے کے بعد گووندراؤ جیوتی با کو بہت مشکل سے پال رہے تھے۔ جیوتی با صرف نو مہینے کے بچّے تھے تب اُن کی ماں اِس دنیا سے چلی گئی۔ سگونا بائی یعنی جیوتی با کی خالا زاد بہن جو کم عمری میں وہ بیوا ہو گئی تھی۔ اُن کا اپنا قریب کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ قریبی رشتہ داروں میں ایک خالا کا گھر ہی تھا۔ میکہ میں کوئی نہیں تھا جو اُن کی کفالت کرتا، اسی لیے وہ اپنے خالا کے گھر آ گئی تھی۔ گووندراؤ بھی اپنے چھوٹے بچّے کی وجہ سے پریشان رہتے تھے۔ مگر سگونا کی وجہ سے انھیں بہت سہارا ہوا۔

سگونا نے ایک ماں کی طرح ہی جیوتی با کو اپنے ممتا کے آنچل میں چھپا دیا۔ اب وہی اُن کی دیکھ بھال کرنے لگی۔ انھیں جیوتی با سے بہت محبت تھی۔ چھوٹا سا معصوم بچّہ وہ بھی اس قدر جلد ماں کی گود سے محروم ہوا تو سگونا بائی نے اپنی ساری ممتا جیسے جیوتی با پر نچھاور کر دی۔ ہر طرح سے وہ اُن کا خیال رکھنے لگی۔ جان نامی مشنری کے بچّے وہ سنبھالتی تھی۔ اسی لیے انھیں بچّوں کو اچھے سے پرورش کرنے کی عادت بھی تھی۔ اور وہاں رہ کر وہ انگریزی سے بھی واقف ہونے لگی۔ جیوتی با کو بچپن سے جانتی تھی، گود میں پلے تھے اسی لیے سگونا جانتی تھی کہ وہ کس قدر ذہین اور ہوشیار ہے ہر بات کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اسی لئے سگونا نے گووندراؤ کو کہا کہ وہ جیوتی با کو پڑھائے وہ بہت ہوشیار ہے ہر بات سیکھ لیتے ہیں۔ گووندراؤ بھی چاہتے تھے کہ بیٹا قابل بنیں تو

انھوں نے انھیں پڑھایا۔ بڑے ہوکر جیوتی با نے اپنی ماں جیسی بہن کا بہت خیال رکھا۔ وہ اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ اُن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ساوتری بائی بھی انھیں اپنی ماں جیسی عزت دیتی تھی۔ جو ساوتری کا خیال رکھتی تھی۔ کیونکہ کم عمر میں شادی ہونے کی وجہ سے ساوتری بائی میں بچپنا تھا۔ ساوتری اپنی ہر بات ہر پریشانی سگونا کو ہی کہتی تھی۔ جیوتی با نے ساوتری بائی کے ساتھ ساتھ سگونا کو بھی مراٹھی کی تعلیم دی۔ سگونا کو بھی تعلیم کا بہت شوق تھا۔ وہ بھی کھیت میں بیٹھ کر ساوتری بائی کے ساتھ پڑھتی تھی۔

سگونا جیوتی با کو بہت اونچے مقام پر دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے جب درمیان میں جیوتی با کے تعلیم کا سلسلہ بند ہوگیا۔ تو جیوتی با کی تڑپ اُن سے دیکھی نہیں جاتی تھی تب سگونا نے گووندراو کے دوستوں سے کہا کہ وہ انھیں جیوتی با کی تعلیم دوبارا شروع کرنے کے لیے دباو ڈالے۔ جس سے جیوتی با کی تعلیم دوبارا شروع ہوئی۔ ایک چھوٹے سے بچے پر اپنا سارا وقت لگا کر اُسے کسی بات کی تکلیف نہیں ہونے دینا اور ماں جیسی اہم شخصیت کی کمی کو بھی پورا کرنا بہت بڑا کام تھا جو سگونا نے کیا۔ سگونا بائی نے جیوتی با کی تربیت اپنی اولاد کی طرح کی کسی بھی بات میں کمی نہیں کی۔ جیوتی با کی شخصیت میں جو وقار اور کام کرنے کی لگن تھی وہ سگونا بائی کی مرہون منت تھی۔ جیوتی با اکثر اُن سے کہتے تھے کہ آپ نے مجھے صرف زندہ رہنا نہیں سیکھایا بلکہ مجھے انسان بن کر جینا سیکھایا۔ لوگوں سے ہمدردی اور محبت کرنا میں نے آپ سے ہی سیکھا۔ پونے میں پلیگ کے دوران سگونا بائی کی وفات ہوگئی۔ جیوتی با نے اپنی کتاب ''نیر میکنچا شودھ'' یہ کتاب اُن کے نام کردی۔

ساوتری بائی کی ممتا سیراب ہوئی

ساوتری بائی اپنے سماجی فلاحی کاموں میں اس قدر غرق تھی کہ انھیں اپنی اولاد نہ ہونے کے غم کو منانے کا وقت بھی نہ تھا۔ اپنے سماج کے لوگ ہی اُن کے لیے اپنی اولاد جیسے تھے۔ وہ اپنے غم میں ایک جگہ بیٹھ کر آنسو بہانے سے بہتر اپنے سماج کے آنسو صاف کرنا بہترین عمل مانتی تھی اسی لیے انھوں نے اپنے درد کو اپنے اندر جذب کر کے سماج کے غم کو اپنا لیا۔ جب کئی سالوں تک انھیں کوئی اولاد نہ ہوئیں۔ تو لوگوں نے باتیں بتانے شروع کیں۔ لوگوں کی ایسی باتیں سُن کر ساوتری بائی پریشان ہوتیں تب جیوتی با انھیں سمجھاتے اور دلاسہ دیتے تھے۔

ایک بار جیوتی با اپنے ساتھ ایک بیوہ عورت کاشی بائی کو ساتھ لائے جو حالات کی ستائی ہوئی ایک برہمن لڑکی تھی، وہ بیمار تھی۔ ساوتری بائی نے اُس کی خوب خدمت کی۔ دِن بہ دِن اُس کی صحت گرتی جارہی تھی۔ پھر ایک دِن وہ ایک لڑکے کو جنم دے کر مرگئی۔ جیوتی با نے ایک فیصلہ کیا اور ساوتری بائی بھی اُن کے فیصلے سے متفق ہوئی۔

جیوتی با نے ۱۸۷۴ء میں اُس برہمن بیوا (کاشی بائی) کے لڑکے یشونت کو گود لیا۔ ساوتری بائی کا اولاد کا ارمان بھی پورا ہوا۔ اُن کی پیاسی ممتا سیراب ہوئی۔ انھوں نے اپنی اولاد کی طرح یشونت کا خیال رکھا۔ ساوتری بائی کے اندر پائے جانے والے جذبے جیسے بیدار ہوگئے۔ یشونت کو گود لیکر جیسے اُن کے اندر بسی ماں کو قرار

آ گیا۔ وہ جی جان سے بچّے کی دکھ بھال میں جُٹ گئی۔ اُس وقت اُن کا ہاتھ تنگ تھا۔ اسکول کے اخراجات بڑھتے جا رہے تھے۔ وہ شام کے خالی وقت میں چٹائی بنتی تھی۔ چار پیسے گھر آئے اِس کے لئے محنت کرتی تھی۔ انھوں نے اس بچّے کا خرچہ اپنے ذمہ لیا۔ اسے اپنا نام دیا۔ اب سماجی کاموں کے ساتھ ساتھ انھیں یشونت پر بھی توجہ دینا تھی اُس کی تربیت بھی کرنی تھی۔ ساوتری بائی نے بہ خوبی یہ کام انجام دیا۔ یشونت کو اپنی اولاد کی طرح پال پوس کر اعلیٰ تعلیم دِلائی۔ یشونت کو ڈاکٹر بنایا۔ یہاں تک کہ ۴ فروری ۱۸۸۹ء کو اپنے بیٹے یشونت کی شادی سسانے کی لڑکی سے کی۔ جیوتی با کے بعد یشونت نے بھی اُن کا خیال رکھا۔

باب دوّم ساوتری بائی کی تعلیم اور تعلیمی خدمات

- ☆ساوتری بائی پھُلے کی تعلیم
- ☆فاطمہ بی
- ☆ساوتری بائی پھُلے کی تعلیمی خدمات
- ☆تعلیمی نصاب
- ☆ساوتری بائی پھُلے ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ استانی
- ☆ساوتری بائی بحیثیت صدر مدرسہ
- ☆ساوتری بائی بہترین نگراں کار

ساوتری بائی پھُلے کی تعلیم

جیوتی با کا دوبارا تعلیم کے ساتھ رشتہ جڑتے ہی اب گھر میں اکثر کتابیں یہاں وہاں نظر آنے لگیں۔ جیوتی با کتابیں گھر لے کر آتے تھے اور گھر میں بھی زیادہ وقت پڑھائی پر صرف کرتے تھے۔ ایک دِن ساوتری بائی نے صفائی کرنے کی ٹھانی۔ وہ سب کتابیں جھٹک جھٹک کر ایک طرف رکھنے لگی۔ اسی وقت جیوتی با گھر میں داخل ہوئے اور کتابوں کو یہاں وہاں پڑے دیکھا تو کہا ''میری کتابوں کیوں نکالیں۔ یہ سُن کر ساوتری بائی نے کہا ''میں گھر کی صفائی کر رہی تھی۔ اِن کتابوں پر دھول پڑ گئی ہیں اسی لیے صاف کر کے رکھ رہی ہوں۔'' یہ سُن کو جیوتی با نے ایک کتاب اُٹھائی اور ساوتری بائی سے کہا اس کا صفحہ کہاں ہے۔ یہ سُن کر ساوتری بائی نے ایک صفحہ اُٹھایا اور دیا۔ صفحہ دیکھ کر جیوتی با بولے یہ صفحہ اس کتاب کا نہیں ہے۔ تب ساوتری نے کہا کہ ''مجھے کیا پتہ کس کتاب کا صفحہ ہے۔ مجھے سب صفحے ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔'' یہ سُن کر جیوتی با ہنس پڑے۔

ساوتری بائی اپنے روزمرّہ کے کاموں میں مشغول رہتی، مگر اب اُن کا دل بھی پڑھائی کی طرف راغب ہو رہا تھا۔ جیوتی با کی باتیں اُن کے ذہن میں گردش

کررہی تھیں ۔وہ روزانہ کھیت میں جا کر کام کرتی تھی۔سگونا بھی وہاں آتی تھی سگونا کو پڑھنے لکھنے کا شوق تھا ساوتری نے بھی جب سگونا کا شوق دیکھا تو وہ اپنے تعلیمی شوق کو دبا نہ سکی۔

سگونا نے جوتی با سے ذکر کیا کہ ساوتری بائی کو بھی تعلیم کا شوق ہے اور وہ گھر میں دیکھ بھی رہے تھے کہ ساوتری بائی اب زیادہ تعلیم کی طرف متوجہ ہورہی ہے۔ہر بار کوئی نہ کوئی کتاب ساوتری کے ہاتھ میں ہوتی پڑھنا آئے یا نہ آئے وہ کتاب کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہتی۔ساوتری بائی نے جیوتی با سے اپنے دِل کی بات کہی کہ وہ بھی پڑھ لکھ کر جیوتی با کے ساتھ اپنے سماج کے لوگوں کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے۔یہ سُن کر جیوتی با بہت خوش ہوئے۔انھوں نے کہا کیا تم سچ مچ خود پڑھ کر اپنے سماج کے لیے بھی کچھ کرنا چاہتی ہو۔ساوتری نے کہا ہاں میں آپ کا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔تب جیوتی با نے اور پوچھا کہ یہ کوئی ایک دو سال کی بات نہیں ہے یہ عمر بھر کی بات ہے۔ تب ساوتری نے کہا کہ میں شادی کر کے آپ کے ساتھ عمر بھر رہنے ہی آئی ہوں تو آپ کے ساتھ مل کر کام بھی عمر بھر کروں گی۔یہ سُن کر جیوتی با بہت خوش ہوئے اور کہا اگر یہ تمھارا فیصلہ ہے تو میں خود تمھیں سب سیکھاؤں گا۔

ساوتری بائی اور سگونا کی ابتدائی تعلیم شروع ہوئی۔جیوتی با ہی اِن دونوں کو پڑھاتے تھے۔صبح سے دوپہر کے وقت تک وہ دونوں کھیت میں کام کرتیں،دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد زمین اُن کی تختی بن جاتی اور قلم کی ضرورت درخت کی ٹہنی سے پوری ہوجاتی اسی طرح اُن کی تعلیم کی ابتدا ہوئی۔کھیت میں کام کرتے کرتے اب وہ دونوں جیوتی با سے پڑھنے لکھنے کا کام بھی سیکھنے لگیں۔جیوتی با چاہتے تھے کہ دونوں

قریب کی اسکول میں پڑھنے جائیں جہاں عورتوں کو سیکھانے کے لئے ایک اساتذہ اسکول میں آتی تھی مگر لوگوں کی دھمکی سُن کر وہ آنا بند ہو گئی تب جیوتی بانے ہی ساوتری بائی اور سگونا کو سیکھایا۔

جوتی بانے سگونا اور ساوتری کی پڑھائی میں دلچسپی لی۔ زبان کے ساتھ ساتھ انھوں نے حساب، سائنس، تاریخ اور جغرافیہ جیسے مضامین کی بھی انھیں تعلیم دیں۔ معلّمہ کی تربیت کے لیے پونے میں قائم مسز میچل کے تربیت یافتہ اسکول ''نارمل اسکول'' میں داخلہ لیا۔ ''نارمل اسکول'' مسز میچل نے گنج پیٹھ میں ۱۸۴۰ء میں قائم کی تھی۔ ساوتری بائی کا شوق دیکھ کر جیوتی بانے اُن کو معلّمہ کا کورس کرایا۔ انھیں تیسرے سال میں داخل کیا گیا۔ مسز میچل نے اُن کا تحریری اور زبانی تیسرے اور چھوتھے سال کا امتحان (۱۸۴۶۔۴۷ء) پاس کیا۔ ۱۸۴۷ء میں انھیں ترقی یافتہ معلّمہ کی ڈگری ملی۔ ساوتری بائی ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ معلّمہ تھی۔

ا جنوری ۱۸۴۸ء میں بُدھ وار پیٹھ کے بھِڑے واڑہ میں مہاراشٹر کا اور لڑکیوں کا پہلا مدرسہ قائم ہوا۔ یہی سے ساوتری بائی کے تعلیمی کاموں کی ابتدا ہوئی۔ اس مدرسہ میں ساوتری بائی بطور معلّمہ نافذ ہوئی اور یہی سے اُن کے تعلیمی کاموں کے ساتھ ساتھ سماجی کاموں کی ابتدا بھی ہوئی۔ سماجی کام اس کے پہلے بھی وہ کرتی تھی مگر تعلیم کے ساتھ سماجی کاموں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ برہمن اور دیگر ذات کی لڑکیوں کے لیے پونے میں اسکول تھی مگر اُن کے برابر شُدر ذات کی لڑکیوں کے لئے اسکول کھولنا اور انھیں ایک سماجی رُکن یا باعزت شہری بنانے کے لئے تعلیم کے زیور سے آراستہ کرانے کی کوشش کرنا شیر کی کھچار میں ہاتھ ڈالنے کا کام تھا۔ جو انھوں

نے کیا جس کی وجہ سے انھیں لوگوں کی گالیاں کھانی پڑتیں، راستے میں اُن پر کیچڑ اور غلاظت پھینکی جاتیں۔ تو کبھی پتھر برسائے جاتے۔ ایک بار کسی نے زور سے پتھر مارا تو ساوتری بائی کے سر کو لگ گیا اور خون جاری ہوا۔ مگر وہ بنا ڈرے اور زخم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسکول آگئیں۔ ساوتری بائی اور جیوتی با کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا وہ برابر اپنا کام کرتے رہے۔ باہر کے لوگ گووند راؤ کو تنگ کرنے لگے کہ وہ اپنے بیٹے بہو کو منع کریں یا گھر سے باہر نکال دے۔ اگر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اُن کا سماجی بائیکاٹ کیا جائے گا پھر اُن سے کوئی تعلق نہیں رکھے گا۔ یہ سُن کو اُن کے والد پریشان، ہوئے اور گھر آکر جیوتی با پر برس پڑے۔

جیوتی با کے والد بہت پریشان تھے۔ جیوتی با کی جب انگریزی تعلیم بھی مکمل ہوئی تو انھوں نے سوچا کہ اب اُن کے بیٹے کو اچھی بڑی سرکاری نوکری مل جائے گی۔ مگر جب انھوں نے اس طرح سماج کی مرضی کے خلاف کام شروع کیا اور چاروں طرف سے لوگ اُن پر برس پڑے تب وہ بہت غصّے میں آئے اور انھیں بہت باتیں سُنائی اور کہا کہ ''بڑی مشکل سے میں نے تم کو پڑھایا، تم نے اپنی بیوی کی تعلیم بھی شروع کی میں نے منع بھی کیا اب اسے باہر پڑھانے کے لئے بھیج رہے ہو، سب لوگ میرے خلاف ہے تم یہ سب کام چھوڑ دو یا پھر یہ گھر چھوڑ دو، کیونکہ میں سماج سے ناطہ نہیں توڑ سکتا، سب لوگوں کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتا'' یہ سب سُن کر جیوتی با نے کہا کہ ''میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا، ہاں یہ گھر چھوڑ سکتا ہوں۔'' یہ کہکر ساوتری کو لیکر گھر سے نکل گئے۔

تعلیم کے لیے گھر چھوڑنا پڑا

رات کا وقت ہر طرف سناٹا، ہو کا عالم اور بے یار و مددگار غصّہ کی حالت میں گھر سے تو وہ نکل گئے مگر جائیں گے کہاں؟ جب اپنے ہی گھر کے دروازے بند ہو گئے۔ جب اپنے ہی مشکل وقت میں ساتھ چھوڑ گئے تو دوسرا کوئی کیوں سہارا بنے گا؟ طرح طرح کے پریشان خیالات کے ساتھ وہ دونوں بنا کسی سامان کے صرف جسم پر موجودہ کپڑوں کے ساتھ نکل گئے۔ نہ کوئی راستہ نہ منزل نہ کوئی سامان نہ ہاتھ میں مال ایسی حالت میں وہ کہاں جاتے، اُن کے اپنوں نے اُن پر ستم ڈھایا، انھیں گھر سے بے گھر کیا، اب ایسے نازک وقت میں کون ان کی مدد کرتا اور اِن کی مدد کرنا یعنی سب سے دوشمنی مول لینا۔

جیوتی با کے دوست جو ایک نیک انسان تھے۔ اللہ سے ڈرنے والے اور اچھے کام کرنے والے کا ساتھ دینے والے اور اچھا کام کرنے والا بھی کون جگری دوست جس نے ایک اچھے کام کا بیڑا اُٹھایا ہے پھر وہ کیسے اپنے دوست کو بیچ راستے میں چھوڑ دیتے۔ جیوتی با کے یہ دوست تھے پونے کے عثمان شیخ جو تعلیم کی اہمیت سے واقف تھے کہ محمد ﷺ نے تعلیم کا حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے۔ اور کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنے پر ثواب کے اجر سے بھی واقف تھے۔ مصیبت زدہ بھی کون جگری دوست جس کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا کیسے اسے اس مشکل گھڑی میں چھوڑ دیتے۔ حالانکہ اُن کی مدد کرنا یعنی سماج سے دشمنی مول لینا مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہیں کی اور اپنے دوست کی بھرپور مدد کی۔ انھیں دِلاسہ دیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی۔ اسی وقت انھوں نے اپنے گھر کے دو کمرے صاف کرائے اور اُن کے رہنے کا انتظام کیا۔ عثمان شیخ نے

انھیں نہ صرف اپنے گھر میں جگہ دی۔ انھوں نے برتن کپڑے وغیرہ ہر چیز سے جیوتی با کی مدد کیں۔ جیوتی با کے دیگر دو دوست پرانجپے اور دو وِنڈے انھوں نے بھی اُن کی مدد کی۔ عثمان شیخ نے اپنا گھر انھیں رہنے کے لئے دے دیا۔ جیوتی با چاہتے تھے کہ وہ ایک اسکول دلت لوگوں کے لئے کھول دے۔ جو بڑی عمر والوں کے لیے ہو۔

عثمان شیخ کو جب اُن کی اس خواہش کا پتہ چلا تب انھوں نے اپنے دوست کی اس پریشانی کا حل بھی یوں نکالا کہ انھوں نے اپنے گھر میں اسکول کھولنے کی اجازت بھی دے دی۔ اور تعلیم بالغان کی پہلی اسکول اُن کا گھر بنی جہاں سے دلت لوگوں کو اندھیرے سے اُجالے کی طرف لانے کا کام عمل میں آیا۔ ۱۸۴۹ء میں دلت تعلیم بالغان کے لئے عثمان شیخ کے باڑے میں اسکول کا تاریخی کام عمل میں آیا۔ عثمان شیخ کے خاندان نے جیوتی با کی کافی مدد کی۔

فاطمہ بی

اُس زمانے میں مسلمان گھرانوں میں عربی اور فارسی کی تعلیم گھر میں استاد رکھ کر دی جاتی تھی۔ گھر کی عورتیں گھر میں ہی تعلیم حاصل کرتیں تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بھی انگریزی تعلیم کی طرف رجحان بڑھتا جارہا تھا۔ ہندوستان کے دیگر علاقوں میں انگریزوں کے قائم کردہ اسکولوں میں مسلمان بھی اپنے لڑکوں کو پڑھا رہے تھے۔ لڑکیوں کی تعداد بہت ہی کم تھی۔ صرف وہ گھرانے جن کی مالی حالت بہت اچھی تھی وہی اپنے بچّوں کو انگریزی اسکول میں داخل کرتے تھے۔

عثمان شیخ ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔

جیوتی با اور ساوتری بائی کو جب وہ اپنے گھر لے آئے تب فاطمہ بی نے اپنے بھائی کی طرح ہی انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کپڑے برتن ہر طرح سے اُن میاں بیوی کی مدد کی۔ اپنے بھائی کی طرح وہ بھی ہمدردانہ فطرت کی مالک تھی۔ وہ ہر طرح سے اُن کا خیال رکھنے لگی۔ ساوتری بائی کا میکہ بھی اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔ شادی کر کے سسرال آئی تو یہاں بھی کسی بات کی کمی نہیں تھی۔ ساس تو تھی نہیں سسر محبت کرنے والے انسان تھے۔ اور ماں جیسی محبت کرنے والی سگونا بائی تھی۔ ساوتری بائی کو کسی بات کی روک ٹوک نہ تھی۔ سسر بیٹی کی طرح چاہتے، ہمیشہ لاڈ پیار سے پیش آتے تھے۔ مگر اب جو صورت حال پیدا ہوئی تھی یہ اُن کے لیے پریشان کُن تھی۔ سماج کی مخالفت کے خوف سے سسر کا اس قدر بدلا ہوا روپ دیکھ کر وہ پریشان تھی۔ فاطمہ بی اُن کے

حالات کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اسی لیے وہ اُن کی دِلجوئی کرتی انھیں دلاسہ دیتی۔ ایک جگہ رہتے ہوئے وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ ساوتری بائی نے اپنی لکھی کتاب میں بھی اس بات کا ذکر کیا کہ جب وہ ہر طرف سے پریشان گھر سے بے گھر ہو کر نکلے تھے۔ اُس وقت کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اُن کی مدد کو آگے آئے مگر عثمان شیخ اور فاطمہ بی نے ایسے نازک وقت میں اُن کو سہارا دیا اور نہ صرف سہارا بلکہ اسکول کھولنے کے لئے اپنا گھر بھی دے دیا۔

فاطمہ بی کو بھی تعلیم سے اور تعلیم کو عام کرنے سے دلچسپی تھی۔ تعلیم کے لیے اپنا گھر چھوڑ کر جو قربانی اِن میاں بیوی نے دی تھی وہ اُن سے بہت متاثر تھی۔ وہ بھی چاہتی تھی کہ اس نیک کام میں اُن کی مدد کریں۔ بڑے گھر کی لڑکیاں گھروں میں استاد کے پاس پڑھتی تھی یا عیسائی مشنری اسکولوں میں پڑھتی تھیں۔ مسلہ اُن غریبوں کا تھا جن کی مالی حالت انھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ گھر میں استاد رکھ کر پڑیں یا مشنری اسکول کا خرچہ برداشت کریں۔ یا اُن دلتوں کا جنھیں سرے سے پڑھنے کے ہی اجازت نہیں تھی۔

جیوتی با نے اسکول خاص طور پر دلت اور غریب لڑکیوں کے لیے ہی کھولا تھا۔ ہاں اگر صاحب حیثیت برہمن عیسائی یا مسلمان بھی پڑیں تو اُن پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ فاطمہ بی نے جب دیکھا کہ ساوتری بائی کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے انھیں مراٹھی میں تعلیم حاصل کرنا ہوگی اور پھر وہ دلت اور غرباء کے بچّوں کو اسکول میں پڑھا پائے گی۔ کیونکہ اُس اسکول میں دلتوں کے و دیگر لڑکیوں کے لیے مہاراشٹر کی علاقائی زبان مراٹھی میں تعلیم دی جا رہی تھی۔ تب فاطمہ بی نے ٹھان لیا کہ وہ مراٹھی

میں تعلیم حاصل کر کے ساوتری بائی کے ساتھ اسکول میں اساتذہ کے فرائض انجام دے گی۔ فاطمہ بی نے شانہ بہ شانہ ساوتری بائی کے ساتھ پونے میں تعلیم کو عام کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ فاطمہ بی نے بھی نارمل اسکول میں تربیت لی تھی۔ ساوتری بائی کے ساتھ احمد نگر میں بھی وہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئی تھی۔ تعلیم حاصل کر کے انھوں نے ساوتری بائی کے اس نیک کام میں اُن کا ہاتھ بٹانے کی ٹھان لی۔

فاطمہ بی پہلی مسلم تربیت یافتہ خاتون کہلائی۔ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اب اسکولوں میں ساوتری بائی کے ساتھ بچّوں کو پڑھانے جانے لگی۔ اب وہ دونوں جگہ جگہ ساتھ نظر آتیں، لوگوں کی گالیاں بھی کھاتیں مگر اپنا کام دل لگا کر کرنے لگیں لوگوں کی مخالفت کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پہلے ساوتری بائی اکیلی ہونے کی وجہ سے اُن پر کام کا بوجھ زیادہ تھا مگر اب فاطمہ بی کے ہونے سے اُن کا بہت سا کام آسان ہو گیا۔ اُن کا بوجھ بھی بٹ گیا۔ اب ساوتری بائی کے ساتھ ساتھ ہر طرف فاطمہ بی کے بھی چرچے ہونے لگے۔ ایک مسلم خاتون ہوتے ہوئے انھوں نے سماج کے اُس کمزور طبقہ کے لیے اپنا وقت اور تعلیم دونوں کا استعمال کیا۔ تب جیوتی با کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ اساتذہ کو تنخواہ نہیں دے سکتے تھے تب انھیں ایسے ہی مخلص پڑھانے والے معلّم کی ضرورت تھی۔ ایک بار ساوتری بائی جب اپنے میکہ گئی تھی۔ وہاں سے انھوں نے جیوتی با کو خط لکھا تھا۔

اپنے اس خط میں وہ لکھتی ہے کہ

"میں یہاں ہوں، وہاں فاطمہ پر بہت بوجھ بڑ گیا ہوگا پر مجھے معلوم ہے وہ اپنا کام دلجوئی اور بغیر کسی پریشانی کے کر لے گی۔"

فاطمہ بی کی لگن، محنت اور حوصلہ سے ساوتری بائی بہ خوبی واقف تھی۔اسی لیے اُن کے بھروسہ پر وہ اپنا کام اُن کے سپرد کر گئی تھی۔انھیں پتہ تھا کہ فاطمہ بی اپنے کام کے ساتھ ساتھ اُن کے ذمہ کا کام بھی احسن طریقہ سے سنبھال لے گی۔

آج بھی جب جب ساوتری بائی کی تعلیمی خدمات کا ذکر ہوتا ہے وہاں فاطمہ بی کا ذکر بھی لازمی ہوتا ہے۔

ساوتری بائی پھُلے کی تعلیمی خدمات

چند دِنوں میں ہی جیوتی با کے حالات سنبھل گئے۔اب دونوں میاں بیوی اور بھی زور وشور سے اسکول کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔پونے میں ۱۸۲۶ء میں پہلی مراٹھی اسکول قائم ہوئی۔جو اعلیٰ ذات والوں کے لئے تھی۔یک جنوری ۱۸۴۸ء میں بُدھوار پیٹھ کے بھڑے واڑہ میں مہاراشٹر کا اور لڑکیوں (شُدر) کا پہلا مدرسہ قائم ہوا۔یہی سے ساوتری بائی کے تعلیمی کاموں کی ابتدا ہوئی۔اس مدرسہ میں ساوتری بائی بطور معلّمہ نافذ ہوئی اور یہی سے اُن کے تعلیمی کاموں کی ابتدا ہوئی۔جیوتی با نے صرف اسکول ہی نہیں کھولے،انھوں نے ساوتری بائی کے ساتھ مل کر اسکول میں پڑھائے جانے والے نصاب کو بھی اچھے طریقے سے بچّوں کے لیے فائدہ مند بنایا۔پونے میں جیسے تیزی سے اسکولوں کی زنجیر بنتی جارہی تھی۔اس قدر تیزی سے انگریز بھی اسکول نہ کھول پائے جس تیزی سے جیوتی با نے اپنی بیوی کا ساتھ پاکر اسکول کھلولتے گئے۔

سلسلہ وار اسکولوں کا قیام

۱۸۴۸ء ا جنوری میں بُدھوار پیٹھ

۱۸۴۸ء ا جنوری میں بھیڑے واڑی پونے

۱۸۴۸ء ۱۵ مئی مہاڑ واڑہ

۱۸۴۸ء ا ستمبر ہڈپسر

۱۸۴۸ء ۵ دسمبر اوتور ضلعہ پونے

۱۸۴۸ء ۲۰ دسمبر ساسوڑ

۱۸۴۹ء ۱ جولائی الہاتا چے گھر، قصبہ پیٹھ

۱۸۴۹ء ۱۵ جولائی نائے گاؤں، تعلقہ کھنڈالا، ضلعہ ستارا

۱۸۴۹ء ۱۸ جولائی شروڑ

۱۸۴۹ء ۱ ستمبر تلے گاؤں ڈھمڈیرے

۱۸۵۰ء ۳ مارچ انجیرواڑی مازگاؤں

۱۸۵۰ء ۶ مارچ کنر نجے ستارا

۱۸۵۰ء ۱۹ ستمبر بھنگار

۱۸۵۰ء ۱ دسمبر مونڈواپونے

۱۸۵۱ء ۳ جولائی اناصاحب چپڑونکرواڑہ

۱۸۵۱ء ۱۷ ستمبر راستہ پیٹھ، پونے

۱۸۵۱ء ۱ دسمبر نانا پیٹھ، پونے

۱۸۵۲ء ۱۵ مارچ ویتال پیٹھ، پونے

اسی طرح تین چار سالوں میں جیسے کڑی سے کڑی جڑتی گئی اور اسکولوں کی ایک زنجیر بنتی گئی۔ اِن اسکولوں میں انگریزوں کی اسکولوں کی بہ نسبت بچّے بھی زیادہ تعدا میں آتے گئے۔ جیوتی با کی مالی حالت ٹھیک نہ تھی کہ وہ اساتذہ کو تنخواہ دیں۔ اسی لیے پڑھانے کا زیادہ تر کام ساوتری بائی، فاطمہ بی اور جیوتی با کا ایک برہمن استاد دوست پڑھانے کا کام انھوں نے مل کر کیا۔ سماجی کام اس کے پہلے بھی وہ کرتی تھی

مگر تعلیم کے ساتھ سماجی کاموں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔

اُسوقت مہاراشٹر میں کم ذات کے لئے مدرسہ کھولنا وہ بھی لڑکیوں کا بہت ہی مشکل کام تھا۔ ایک مراٹھا کا اپنی بیوی کو تعلیم دے کر برہمنوں کے گڑھ میں انہی کی لڑکیوں کے لئے تعلیم کا انتظام کرنا جوئے شیر لانے کے برابر تھا۔ مگر اُن کے برابر دلت بچّوں کے لئے اسکول کھولنا اور انھیں ایک سماجی رُکن کا درجہ دینا اور باعزت شہری بنانے کے لیے تعلیم کے زیور سے آراستہ کرانا شیر کی کھچار میں ہاتھ ڈالنے کا کام تھا۔ جو انھوں نے کیا جس کی وجہ سے انھیں لوگوں کی گالیاں کھانی پڑتیں، راستے میں اُن پر کیچڑ اور غلاظت پھینکی جاتیں تو کبھی پتھر برسائے جاتے مگر ساوتری بائی اور جیوتی با کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا وہ برابر اپنا کام کرتے رہے۔

۱۸۴۵ء سے ۱۸۵۲ء تک جیوتی با نے تقریباً ۲۰ اسکول کھولیں۔

جن مدارس میں معلمہ کا انتظام نہ ہوتا وہاں ساوتری بائی، فاطمہ بی بطور معلمہ فرائض انجام دیتی اور صدر معلمہ کے فرائض بھی ساوتری بائی ہی بجالاتیں۔ سبھی اسکولوں کی نگرانی کرتیں ساوتری بائی کی وجہ سے جیوتی با کو بہت مدد مل رہی تھی۔ جس سے اُن کے تعلیمی کام خوش اسلوبی سے انجام پا رہے تھے۔ راہ میں آنے والی رکاوٹیں آسان ہوجاتی تھیں۔

تعلیمی نصاب

جیوتی با اور ساوتری بائی نے اسکول میں پڑھائے جانے والے نصاب پر بھی محنت کی وہ ایسی تعلیم کے حق میں تھے۔ جس سے بچّوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی کی جا سکے۔ انھوں نے خود اسکول کے نصاب میں ترمیم کیں اور اپنی طرف سے اہم باتیں درج کیں۔ وہ بچّوں پر کتابوں کا بوجھ نہیں لادنا چاہتے تھے۔ اسی لیے اُنھوں نے اسکول کے لحاظ سے نصاب میں ترمیم کیں۔ نصاب بناتے وقت انھوں نے بچّوں کے ماحول، عمر اور سمجھ کے حساب سے نصاب تیار کیا۔ ی۔ ڈی۔ پھڑکے نے اپنی کتاب میں جو مثال دی ہے اُس کے مطابق

اسکول نمبر ۱: کل طلباء ۱۰۶ جماعت اوّل میں ۱۸ طلباء

نصاب: بچّوں کا سائنس، ہندوستان کی تاریخ، موڑی زبان پڑھنا، خوشخط لکھائی، جغرافیہ یورپ ایشاء اور ہندوستان کے نقشے، بچّوں کو نصیحت، موڑی الفاظ لکھنا اور اکائی کی گنتی پر منحصر حساب

اسکول نمبر ۲ کل طلباء ۸۳، جماعت اوّل میں ۱۵ طلباء کے لیے

نصاب میں ترمیم کرتے ہیں۔ جیسے بال متر کا پہلے حصّہ کے ۱۰۰ صفحے، موڑی پڑھنا، گرامر کا علم، جغرافیہ میں ایشاء و ہندوستان کے نقشے مہاراشٹر کی معلومات اور دہائی کے عدد کے حساب

مہاتما پھلے اور ساوتری بائی نے نصاب بناتے وقت اہم نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے بچّوں کے ماحول اور حالات کے مطابق نصاب کو بنایا تھا۔ جیسے دیہاتوں اور شہروں میں رہنے والے بچّوں کی ذہنی قابلیت ایک جیسی نہیں ہوتی، ماحول کے لحاظ

سے اُن کی ذہنی ترقی کم یا زیادہ ہوتے رہتی ہیں۔ اس اہم نقطے کو سمجھتے ہوئے نصاب میں ترمیم کی گئی تھی ۔ ورنہ آج کل جو طریقہ رائج ہے جس میں سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکہ جارہا ہے ۔ ذہین ، اوسط درجے اور کم درجے کے طلباء کے لیے ایک جیسا نصاب کمزور ذہن کے بچّوں پر ایک بوجھ کی طرح لد جاتا ہے۔ جس میں طلباء کی ترقی کے فی صد کم ہوتے ہیں۔

اسکول کے بچّوں کے لحاظ سے اُن کی ذہنی حالت کے پیش نظر یہ بات جاننا بہت ہی ضروری ہے کہ کس قسم کے بچّوں کے لیے کس حد تک سائنس ، جغرافیہ، حساب اور زبان کی معلومات دی جائے ۔ طلباء کس حد تک سمجھ سکتے ہیں ۔ ورنہ ایسا نہ ہو کہ سب اُن کے سر کے اوپر سے گزر جائے۔ اسکولوں میں دی جانے والی درسی تعلیم میں نصاب کی خاص اہمیت ہوتی ہے۔ طلباء کی ترقی نصاب سے منسلک ہے۔ درسی نصاب اگر بہت مشکل یا بہت آسان ہو تو طلباء کی تعلیمی ترقی کی افادیت رُک جاتی ہے۔ وقت کے ساتھ آگے بڑھنے کی بجائے وہ ذہنی طور پر تباہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اسی لیے اس بات پر خاص توجہ دینا چاہیے کہ نصاب بچّوں کے ماحول، عمر اور معیار کے مطابق ہو تا کہ وہ اطمینان سے اپنی تعلیم حاصل کر سکے۔

جیوتی با اور ساوتری بائی نے نصاب بناتے وقت اِن تمام نکات کو سامنے رکھتے ہوئے نصاب بنایا تھا۔ جس کی وجہ سے اُن کے اسکول میں آنے والے طلباء اچھی طرح پڑھائی کر رہے تھے ۔ اور دِن بدن اُن کے اسکولوں میں طلباء کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔

ساوتری بائی پھُلے ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ استانی

ساوتری بائی ایک کامیاب معلّمہ تھی۔ایک بار وہ اپنے کلاس میں بچّوں کو پڑھانے میں اس قدر غرق تھی کہ اسکول میں معائنہ کے لیے آئے آفسر کی طرف اُن کی توجہ نہ تھی اور انھوں نے بھی جب ساوتری بائی کے طریقہ تدریس کو دیکھا تو حیرت سے دیکھتے رہے ساری کلاس بڑی دلچسپی کے ساتھ ساوتری بائی کی طرف متوجہ تھی۔جب ساوتری بائی نے انھیں دیکھا تو اُن کی طرف متوجہ ہو کر اسکول کے بارے میں بات کرنے لگی۔وہ ایک کامیاب معلّمہ تھی۔بچّوں کو کس طرح کنٹرول میں رکھا جاتا ہے۔وہ کب دلچسپی سے پڑھتے ہیں اور کب اُکتا جاتے ہیں وہ سب بہ خوبی جانتی تھی۔طلبا کی سننے کی صلاحیت، دیکھنے کی صلاحیت اور پھر اُسے سمجھ کر پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت اُن میں پیدا ہو جائے۔طلبا اسکول میں دلچسپی کے ساتھ آئے اور پڑھیں، پڑھائی انھیں بوجھ نہ لگے بلکہ وہ شوق و ذوق سے اسکول میں آئے۔

ساوتری بائی بچّوں کی دلچسپی بڑھانے کے لیے اسکول میں اُن کا استقبال بہت ہی اچھے طریقے سے کرتی ہے۔وہ بچّوں کے علاوہ اُن کے والدین سے بھی بہتر سلوک کی قائل ہے۔کیونکہ سرپرستوں کی طرف سے غفلت برتنا یعنی اپنی اسکول میں داخلہ کو کم کرنا۔اسی لیے ساوتری بائی نے طلبا اور اُن کے والدین کی طرف خاص توجہ دی اور انھیں تعلیم کی طرف راغب کرنے کے لیے ہر طرح کی کوشش کی۔

۱۸۵۲ء ۱۶ نومبر کو انگریز سرکار کی طرف سے ساوتری بائی کو ''بیسٹ ٹیچر'' کا خطاب ملا۔چاروں طرف اُن کے تعلیمی کاموں کے ڈنکے بجنے لگے۔اُن کے تعلیمی کاموں کو دیکھتے ہوئے انگریز سرکار کی طرف سے انھیں ایوارڈ سے نوازا گیا اُن کی تعلیمی کاموں کو سراہا گیا۔ساوتری بائی کو ''بیسٹ ٹیچر'' کے خطاب سے نوازا گیا۔یہ اُن کے خاندان والوں کے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی۔

۱۲ فروری ۱۸۵۳ء کا دِن پھُلے خاندان کے لیے بہت اہمیت کا حامل تھا۔ جیوتی با اور ساوتری بائی کے انتھک محنت کے اعزاز کا دِن تھا۔ اِس دِن پونے کے وشرام باغ واڑا میں ایک بہت بڑا پروگرام ہونے جارہا تھا۔ بہت سے لوگ اس پروگرام میں شامل تھے۔ ایک طرف اسکول کے طلبا تو دوسری طرف کالج کے طلبا موجود تھے اس پروگرام کے اہم مہمان پونے کے کلکٹر ای، سی جونس اور اُن کی اہلیہ موجود تھے۔ سرکار کی طرف سے پھُلے خاندان کے کارناموں پر انھیں بہت سراہا گیا انھیں عزت وتوقیر سے نوازا۔ اب تک انھیں اپنے کاموں کی بدولت چاروں طرف سے ملامت ہی ملی تھی۔ مگر اب اس قدر عزت وتوقیر انھیں لگا جیسے اُن کی محنت کا پھل مل گیا۔ اُن کے تعلیمی کاموں کو دیکھتے ہوئے انگریز سرکار کی طرف سے اُن کی تعلیمی کاموں کو نہ صرف سراہا گیا بلکہ تعلیم کے حوالے سے اُن کی مدد کی گئی۔ جو داد اور مدد انھیں اپنوں سے ملنی چاہئے تھی وہ غیروں سے ملی۔ یہ اُن کے خاندان والوں کے لئے بڑے اعزاز کی بات تھی۔ جو لوگ اُن کی مخالفت کررہے تھے وہ اب اُن کے کارنامے دیکھ دیکھ کر دل میں شرمندہ ہورہے تھے۔

جیوتی با اور ساوتری بائی اور جوش وخروش سے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ ساوتری بائی کو جیوتی با سے محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت بھی بہت تھی وہ ان کے کاموں کو بہت اہمیت دیتی اور دِل و جان سے اُن کے ساتھ مصروف ہوجاتی انھوں نے اپنی نظموں میں تعلیم کی طرف رغبت دِلائی ہیں۔ وہ دیکھتی کہ کم ذات والوں میں علم ہے اور نہ تعلیم ہیں اور نہ ہی اُن لوگوں میں اسے حاصِل کرنے کا جذبہ ہیں۔ وہ لوگ اپنی عقل کا استعمال نہیں کرتے دوسروں نے اُن پر جو حکم نافذ کردیا وہ بلا چوں چرا

اُس پر عمل کرتے ہیں۔ تعلیم ہی سماج میں اُن کی حیثیت کو بدل سکتی ہے اس بات کا احساس ساوتری بائی نے انھیں دِلایا۔ ساوتری بائی جب اپنے آس پاس کے ماحول کا مشاہدہ کرتی وہاں مسلمانوں اور انگریزوں کی بہ نسبت اپنے ہم مذہب والوں میں عورتوں کی تعلیم سے لاپرواہی اور سماج میں اُن کی بے عزتی انھیں خون کے آنسو رُلاتی اور وہ تن من دھن سے اپنی قوم کی عورتوں میں تعلیمی معیار بڑھانے میں جُٹ جاتیں۔ انھیں اپنی ذاتی زندگی کی خوشیوں سے زیادہ قوم کا درد محسوس ہوتا تھا اس لئے وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تعلیمی کاموں میں صرف کرتیں جس میں قوم کی بھلائی تھی۔ وہ اپنے لوگوں کو سمجھاتی کہ تعلیم ہی انھیں اندھیرے سے اجالے کی طرف لاکر ایک نیا راستہ ہموار کرسکتی ہیں۔ انگریزوں کی حامی وہ اس لئے تھی کہ انھوں نے تعلیم کا راستہ عام کیا اور فرسودہ رسم ورواج پر پابندہ لگادی۔ وہ سب کو انگریزی سیکھنے اور انگریزی کے ذریعے اپنے دُکھ درد دور کرنے اور ذات پات کا فرق مٹانے کا درس دیتی ہیں۔

۱۸۵۴ء میں اُن کی نظموں پہلا مجموعہ ''کاوِے پھولے'' شائع ہوا۔ یہ نظمیں اُس وقت بولی جانے والی مراٹھی زبان میں تھیں۔ آج بولی جانے والی وادبی مراٹھی میں اُس وقت کی زبان میں تھوڑا بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ساوتری بائی اپنے شوہر جیوتی با کے شانہ بہ شانہ تعلیمی کاموں میں اُن کے ساتھ ساتھ تھیں۔ تعلیم کی اہمیت کو جانتے ہوئے انھوں نے کئی نظمیں تعلیم کی اہمیت پر لکھی۔ ''چلو اسکول چلے''، ''جہالت''، 'نیند سے جاگو تعلیم حاصل کرو' اور ''انگریزی سیکھو' وغیرہ اپنی نظموں کے ذریعے انھوں نے تعلیم کی اہمیت اور جہالت ہی قوم کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس حقیقت کو اُن کے سامنے رکھ دیا۔ صدیوں سے سب کی غلام بنتی آرہی قوم کی

غیرت کو للکارا انھیں تعلیم کی رغبت دِلا کر عزت سے رہنے کا ڈھنگ سیکھایا۔

ساوتری بائی کے خیال میں صرف ڈگری حاصل کر کے کام نہیں بنے گا۔ اگر ایک اچھے سماج کی بنیاد رکھنی ہو تو تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی بھی اشد ضرورت ہے وہ بچّوں کو اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ پہلے اچھے انسان بنو۔ ہمدرد، ایماندار، خوددار اور غیرت مندی کے ساتھ ساتھ تعلیم تب وہ ایک اچھے شہری بن کر ایک اچھے سماج کی بنیادوں کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ ہزاروں برس کے بعد تو ایسا موقع ملا ہے کہ ہم بھی تعلیم حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی تعلیم کی اہمیت سمجھائے۔ انھیں اخلاقی تعلیم دلائیں ہماری نس نس میں تعلیم حاصل کرنا کا جذبہ جاگ جائے۔ تا کہ قوم کی پیشانی سے اپنے کم ذات ہونے کا داغ مٹ جائے چاروں طرف اُن کے کامیابی کے ڈنکے بجے۔ اس قدر اونچے خیالات وہ اپنی قوم کے لیے رکھتی تھی۔

انھیں اپنی ذاتی زندگی کی خوشیوں سے زیادہ قوم کا درد محسوس ہوتا تھا اس لئے وہ اپنا زیادہ سے زیادہ وقت تعلیمی کاموں میں صرف کرتیں جس میں قوم کی بھلائی تھی۔ بچّے تو تعلیم حاصل کرر ہے تھے۔ جیوتی با اور ساوتری چاہتے تھے کہ اُن کے والدین بھی اگر تعلیم یافتہ ہو گے تو بچّوں پر اور توجہ دے پائے گے۔ اسی سوچ کے پیش نظر تعلیم بالغان کے لیے اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۸۵۵ء میں مزدوروں، کسانوں اور دیگر بالغان مرد و عورتوں کے لیے نائٹ اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ ان اسکولوں میں بھی ساوتری بائی نے بطور معلّمہ کے فرائض انجام دئے۔

ساوتری بائی بحیثیت صدر مدرسہ

ساوتری بائی ایک کامیاب استانی تھی ۔ اسکول میں بچّوں کی تعداد بڑھتی گئی ۔ بھڑے واڑے میں شروع ہونے والے اس اسکول میں ابتدا میں ۲۵ لڑکیاں تھیں ۔ تقریباً آدھی تعداد برہمن لڑکیوں کی پھر مراٹھا، چمار، مہار، مانگ، کولی اور مالی لڑکیوں کی تھیں ۔ سن ۱۸۵۰ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۷۰ ہوگئی ۔ جس کی وجہ سے دو اساتذہ کا انتظام اور کرنا پڑا ۔ اسکول میں سیکھانے پر انھیں تنخواہ نہیں ملتی تھیں ۔ اپنے خالی وقت میں وہ رضائی سینا، پھولوں کے ہار بنانا اور سیلائی کام وغیرہ کرتیں ۔ ان کاموں کی وجہ سے جو روپے آتے تھے ۔ اُن روپیوں سے وہ اپنے اخراجات پورے کرتیں تھیں ۔

۱۸۴۸ء سے تو ۱۸۵۲ء تک جیوتی بانے کئی اسکول کھولیں ۔ سن ۱۸۵۲ء ۱۵ مارچ ویتال پیٹھ پونے میں خاص کر دلت لڑکیوں کے لئے اسکول کھولا گیا ۔ یہ پہلا اسکول تھا ہندوستان کا جو خاص کر صرف دلت لڑکیوں کے لیے کھولا گیا ۔ بہت جلد ہی اس اسکول کی شہرت بڑھتی گئی اور بچّوں کی تعداد بڑھنے لگی ۔ اس اسکول میں ساوتری بائی نے صدر معلّمہ کا عہدہ سنبھالا اب وہ صدر معلّمہ کی حیثیت سے کام دیکھنے لگی ۔

پونے میں اسکولوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی ۔ انگریزوں نے کھولی گئی اسکولوں کے مقابلہ میں ساوتری بائی کی اسکول میں طلبا کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی ۔ معلّمہ کے ساتھ ساتھ صدر معلّمہ کے بھی فرائض انجام دینے پر اُن کے اوپر کام کا بوجھ بڑھتا گیا ۔ مگر انھیں اس کی کوئی پریشانی نہیں تھی وہ اچھے طریقے سے اسکول کو منظّم کرنا سیکھ گئی تھی ۔ اساتذہ کو صدر مدرس کی جانب سے ہر وقت جوابدہی کا احساس ہو

جس سے وہ اپنا کام ایمانداری اور بہتر طریقے سے کر سکیں۔ اسکول کو کامیاب بنانے میں صدر معلّم کا بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ ساوتری بائی نے اس حیثیت سے اپنا لوہا منوا لیا تھا۔ وہ ایک کامیاب صدر معلّمہ تھی اسی لیے اُن کے اسکول دِن بہ دِن مشہور ہوتے جارہے تھے۔ مالی تنگی کی وجہ سے تمام اسکولوں کا خرچ اُٹھانا مشکل ہو رہا تھا۔ اُن کی اسکولوں میں آنے والے اکثر بچّوں کے گھر کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ انھیں مشکل سے دو وقت کی روٹی میسّر ہوتی اُس پر اسکول کے لیے خرچ کرنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ ایسے بچّوں کے اخراجات بھی جیوتی با اور ساوتری بائی ہی ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی لیے ایک منڈل کی بنیاد رکھی گئی۔

''دکشنا پرائز کمیٹی'' جس کی وجہ سے لوگوں سے مدد ملنے لگی۔ اب ہر طرف جیوتی با اور ساوتری بائی اپنی اسکولوں کے لیے لوگوں سے مدد کی درخواست کرتے تھے دنیا میں نیکی کمانے والوں کی کمی نہیں ہے۔ کئی ہمدردی اور رحم رکھنے والے لوگ اب دِل سے چندہ (دکشنا) دینے لگے۔ جس کی وجہ سے اسکول کے لیے بہت مدد ہوئی۔ طلبا کی سہولتوں کا خیال رکھا جانے لگا۔ جو طالب علم دور دراز کے علاقوں سے آئے تھے اُن کے لیے رہنے اور کھانے کا انتظام ہونے لگا۔ رہنے اور کھانے کی سہولت ہونے کی وجہ سے اب زیادہ تعداد میں طلبا پونا میں سفر کرنے لگے۔ یوں تو اسکولوں کا جال مہاراشٹر بھر میں پھیلا ہوا تھا مگر تعلیمی نقطہ نظر سے پونا کو اہمیت حاصل ہونے لگی۔

ساوتری بائی ایک بہترین نگراں کار

اسکول کی معلّمہ، صدر معلّمہ کے ساتھ ساتھ ساوتری بائی نے اسکولوں کی نگرانی کا کام بھی اپنے ذمّہ لے لیا۔ اب وہ وقت نکال کر اسکولوں میں جاتی، وہاں پڑھانے والے اساتذہ کے طریقۂ تعلیم کا معائنہ کرتی، بغور مشاہدہ کرنے کے بعد انھیں رائے دینا، اُن کے طریقے تعلیم میں کوئی نقص نظر آئے تو اُس کی اصلاح کرنا۔ اس سے اساتذہ کی صلاحیتوں میں اضافہ ہوا۔ جس کا براہ راست اثر بچّوں کی تعلیم پر ہوا۔ ساوتری بائی ایک بہترین نگراں کار ثابت ہوئی۔ اسکول کھولنا اگر آسان بھی ہو تو اسکول کو کامیابی سے ہم کنار رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ ایک اچھی کامیاب اسکول کے لیے اچھے اساتذہ بہت ہی ضروری ہیں اور اساتذہ کو کنٹرول میں رکھ کر کام لینے کی صلاحیت صدر مدرس میں ہونا بہت ہی ضروری ہوتا ہے۔ صدر مدرس کو اپنے کنٹرول میں رکھ کر ساری اسکول کی نگرانی کرنے کا کام ایک بہترین نگران داں ہی کر سکتا ہے۔ اساتذہ اور صدر مدرس کو بھی ہر وقت یہ فکر رہے کہ اُسے نگراں کی طرف سے کوئی تنقید نہ سننے ملے۔

نگران کو قوم اور سماج کا ہمدرد ہونا چاہیے اُس کی ساری کوشش سماج اور قوم کی بھلائی کے لیے ہو۔ یہ سوچ اور فکر نگراں کو اسکول اور صدر مدرس سے کبھی غافل نہ ہونے دے گی۔ ایک زنجیر ہے کڑی کی طرح جو ایک دوسرے سے جُڑی ہے۔ اس زنجیر کی سلامتی ہی آپس میں مل کر کام کرنا ہے کوئی ایک بھی کڑی اپنی جگہ چھوڑ دے تو

زنجیر ٹوٹ جائے گی۔اس کی بقا کی فکر سب کو ہونی چاہیے۔تب ہی مستقبل میں سماج کی بھلائی میں اہم رول ادا کرنے والے طالب علم، جو آج کے بچّے اور کل کے ایک کامیاب شہری اور سماجی کارکن بنے گے۔یہ تعلیمی نقطہ نظر ساوتری بائی نے اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔اسی لیے وہ اپنے وقت کی ایک کامیاب استانی، ایک بہتر صدر معلّمہ اور ایک بہترین نگراں کار ثابت ہوئی تھی۔انھوں نے اپنا کامیاب رول ماڈل بعد کے آنے والوں کے لیے رکھا ہے۔جس کا مشاہدہ کرکے آج کے اساتذہ، صدر مدرس اور نگراں کار اپنی اسکول اور بچّوں کے لیے اپنا کر انھیں ایک بہترین شہری بنا سکتے ہیں۔

تعلیم صرف اسکولوں میں جا کر ڈگری حاصل کرنے کا نام نہیں ہے تعلیم وہ ہے جو انسان کو اچھے اور بُرے کا فرق بتائیں، جو ایک انسان کے اندر غیرت اور خوداری کو جگائیں اور جو انسان کو ایمانداری اور بے ایمانی کا واضح مطلب سمجھا دے۔ ساوتری بائی ایسی ہی تعلیم کی آرزومند تھی۔جو اُن کی قوم میں ایمانداری، بہادری، نیکی اور اُن کی غیرت و خوداری کو جگا دے۔جس سے وہ اپنی برسوں کی غلامی کو اپنے پاؤں تلے روند کر آزادی کی سانس لیں اور عزت سے جینا سیکھ لیں۔یہی شعور اپنی قوم میں بیدار کرنے کے لیے انھوں نے اپنی ساری زندگی وقف کر دی۔اسی کام کی جدو جہد میں اُن کی زندگی کے خوشی و غم وابستہ تھے۔اسی لیے جب انھوں نے انگریزوں کے یہاں تعلیم کو عام اور آزاد دیکھا تو اُن کی طرف بڑھ گئی۔

آج تک انھیں کئی تعلیمی اعزازوں سے نوازا گیا۔اب حال ہی حکومت مہاراشٹر نے اُن کی تعلیمی خدمات کو دیکھتے ہوئے ''یونیورسیٹی آف پونے'' کا نام اُن کے نام پر ''ساوتری بائی پھُلے پونے یونیورسیٹی'' رکھ کر انھیں خراج تحسین عطا کی۔

باب سوّم ساوتری بائی پھُلے کی سماجی خدمات

☆ مہیلا منڈل کا قیام

☆ شادی بیاہ کے رسم و رواج

☆ بے جوڑ شادیاں

☆ بال ہتیہ پر دی بندھک گرہ (بچّوں کے قتل پر پابندی)

☆ بیوہ عورتوں کی شادی

☆ بیوا عورتوں اور بچّوں کا گھر

☆ ۱۸۶۸ء میں دلتوں کے لیے اپنے گھر کا کنواں عام کیا۔

☆ ستیہ شودھک سماج

☆ مہاراشٹر میں قحط

☆ پلیگ میں خدمات

ساوتری بائی پھُلے اور سماج

ساوتری بائی پھُلے نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں سماج میں ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ کم ذات والوں کا کوئی پُرسان حال نہ تھا۔ خود ساختہ بنائی گئی رسموں کی بنیاد پر اونچی ذات کے لوگ انھیں اپنے پاؤں کی جوتی سے زیادہ حیثیت دینے پر راضی نہ تھے۔ طاقت کمزور پر حاوی تھی۔ جس کی لاٹھی اُس کی بھینس کے مطابق کمزور طبقہ دبتا جا رہا تھا۔ ساوتری بائی جو بچپن سے ہی کمزوروں کی مددگار اور دوست تھی۔ وہ اس ماحول سے جلد ہی اُکتا گئی۔ مگر اپنے والدین کے ساتھ رہتے ہوئے وہ صرف کمزور دوستوں کی مدد ہی کر پاتی۔ سماج کے لئے بھلائی کے کام کرنے کا موقعہ انھیں جیوتی با سے شادی کے بعد میسر آیا اور انھوں نے فوراً اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔

بچپن سے ہی وہ عورتوں کی حالت دیکھتی آ رہی تھیں اور کم ذات کی عورتوں کی حالت کا تو کیا کہنا، اُن کی حالت تو جانوروں سے بدتر تھیں۔ سماج میں اُن کی کوئی حیثیت نہ تھیں نہ وہ تعلیمی یافتہ تھیں نہ وہ معاشی طور پر مضبوط تھیں اور نہ ہی کسی مذہبی امور میں انھیں اہمیت دی جاتیں تھیں۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر ساوتری بائی کا دِل کُڑھتا تھا وہ عورتوں کے لئے ایک ایسے سماج کی خواہ تھی جہاں انھیں بھی عزت سے زندگی

گزارنے کا موقعہ مل پاتا۔ سماجی حالات کا گہرائی سے مشاہدہ کرنے کے بعد وہ اُس نتیجے پر پہنچی کہ تعلیم ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے عورتوں کی حالت بدلی جا سکتی تھیں فرسودہ رسم و رواج بند ہو سکتے ہیں۔ ساوتری بائی کی نظموں میں اُن کی تڑپ اُن کی اپنے قوم کے لوگوں سے محبت کا اظہار موجود ہیں۔ انگریزوں کی حامی وہ اس لئے تھی کہ انھوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ سماج میں قائم کردہ فرسودہ رسم و رواج پر پابندہ لگادی۔ انھوں نے سماج اور خاص کر عورتوں کی حالت سنوارنے کا کام شروع کیا۔ سماجی فلاح میں وہ دل و جان سے جُڑی رہی۔ انھوں نے کم ذات والوں کو اور عورتوں کو اُن کی حالت بدلنے پر اُکسایا۔

مہیلا منڈل کا قیام اور پہلا تِل گڑ پروگرام

۱۸۵۲ء میں پہلے مہیلا منڈل کی بنیاد رکھی گئی تھی۔اس منڈل کے صدر جونس ہوئے اور سیکریٹری کی حیثیت سے ساوتری بائی نے کام سنبھال لیا تھا۔اس منڈل کا مقصد سماج کی اصلاح کرنا اور خاص طور پر عورتوں کے حالات کو سدھارنا تھا۔عورتیں خود اپنے حقوق سے ناآشنا تھیں۔انھیں جمع کر کے اُن کے حق کا استعمال کرنے کے لیے ہمت دینا انھیں عزت سے جینے کی تلقین کرنا اور یہ سب کرنے کے لئے انھیں ایک جگہ جمع کرنا ضروری تھا۔اُس وقت عورتوں کو اکھٹا کر کے اپنی بات کہنے کے لیے بھی سوچنا پڑتا تھا یہ نہیں کہ سب کو کہہ دیا سب آگئے۔عورتوں کا اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر گھر سے نکلنا دشوار تھا۔اسی لیے ساوتری بائی نے سوچا کہ کسی دھارمک کام کے لیے انھیں ایک جگہ جمع کیا جاسکتا ہے۔اسی مقصد کے تحت انھوں نے ایک پروگرام ترتیب دیا جس میں بہادرانہ قدم یہ اُٹھایا کہ یہ پروگرام سب عورتوں کے لیے رکھا۔اس میں اونچی ذات سے لے کر کم حیثیت والی عورتیں بھی بُلائی گئی تھیں

پہلا تِل گڑ پروگرام عورتوں کے لئے انھوں نے مہیلا منڈل سیوا (۱۴ جنوری ۱۸۵۲ء) کے ذریعے منظّم کرایا۔تاکہ انھیں جمع کر کے وہ انھیں اپنی سماجی حالت بدلنے پر تیار کریں۔عورتوں ایک ساتھ بڑے پیانے پر ایک جگہ جمع کرنے کے لیے انھوں نے خاص طور پر یہ پروگرام رکھا تھا۔وہ عورتوں تک اپنے خیالات پہنچانا چاہتی تھی۔وہ اُن کی حالیہ صورت حال کی طرف توجہ دِلا کر انھیں سماج میں ایک

عزت کا مقام دِلانا چاہتی تھی۔

مہیلا منڈل کا اہم کام تھا عورتوں کی موجودہ صورت حال کو تبدیل کرنا، اُن کو تعلیم کی طرف رغبت دِلا کر اُن کی جہالت کو دور کرنا۔ بیوا عورتوں کی حالت زار پر آواز اُٹھا کر سماج کے لوگوں کے خیال کو اُن کی طرف منتقل کرنا۔ بچپن میں کی جانے والی شادیوں پر پابندی لگانا۔ عورتوں کو سماج میں عزت کا مقام عطا کرنا۔ اسی سوچ کے تحت انھوں نے اپنے سماجی کاموں کی ابتدا کی۔

شادی بیاہ کے رسم ورواج

شادی بیاہ کے رسم ورواجوں پر برہمن ازم حاوی تھا۔شادی کی رسموں میں دان سے لے کر پنڈتوں کے دیے جانے والے تمام اخراجات ،جہیز کے نام پر دی جانے والی چیزیں اور ہنڈے کے نام پر دیے جانے والے روپے اور شادی بیاہ میں آپس میں رشتہ داروں کے پہناوے غرض کے خودساختہ بنائی گئی کئی رسموں کی پابندی جوفرض قرار دے کر غریبوں کی لڑکیوں کے لیے شادی کو ناممکن بنادیا گیا تھا۔ پہلے تو بڑی مشکل سے رشتہ تلاش کیا جا تا ،پھرقرض لے کر گھر یا جائداد گروی رکھ کر شادی کردی جاتی ،اُس پر بھی لڑکیوں کے خوشیوں کی کوئی ضمانت نہیں تھی اور والدین کی ساری عمر شادی کا قرض ادا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔

ساوتری بائی اس طرف بھی نظر رکھے ہوئے تھی۔انھوں نے جیوتی با کی توجہ اس طرف دِلائی۔جیوتی با پہلے ہی ستیہ شودھک سماج کے ذریعے شادیوں کو سادگی سے کرنے کی سوچ رہے تھے۔پھرایک خاص فیصلہ کیا گیا جس میں ستیہ شودھک سماج کے ذریعے شادیاں سادگی کے ساتھ ادا کرنے کی تجویز کو عام کیا گیا۔جیوتی با نے غیر ضروری رسموں کی ادائیگی کو قبول کرنے سے انکار کر کے عام لوگوں کے لیے ایک ایسا راستہ نکالا جس سے اُن کے لیے شادی بیاہ کرنا آسان ہوگیا۔اب انھیں رسموں کے لیے کسی پروہیت کو مال دے کر نہیں بُلانا پڑتا تھا۔اس بات پر وبال تو بہت اُٹھا مگر جیوتی با کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اپنے کاموں پر ڈٹے رہے۔

بے جوڑ شادیاں (بچپن کی شادیاں)

سماج میں اکثر بے جوڑ شادیاں ہوتی تھیں۔ بچپن میں ناسمجھی کے دور میں ہی شادیاں کردی جاتیں تھیں۔ لڑکے کے نام پر ستر اور اسّی سال کے بوڑھے مرد کے ساتھ کم عمر کی لڑکی شادی ہو جاتی تھی۔ نتیجہ چند دِنوں میں ہی وہ بوڑھا مر جاتا، ایسی لڑکیوں کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ اکثر لڑکیاں خاندانی مردوں کی ہوس کا شکار ہو کر خودکشی پر مجبور ہو جاتی تھیں اور کئی لڑکیاں حاملہ ہونے پر یا تو اپنی اولاد کے قتل پر مجبور ہوتی یا کئی بار خاندان کے لوگ ہی بچّے کو مار دیتے یا پھر اُس لڑکی کو ہی مار دیتے تھے۔

اکثر ستی کی رسم کے نام پر شوہر کے مر جانے کے بعد عورت بھی اُس کے ساتھ زندہ جلائی جاتی تھی۔ اگر لڑکی ڈر کر وہاں سے اُٹھ بھاگے تو اسے پکڑ کر آگ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ اس غیر انسانی سلوک پر کوئی روک لگانے والا نہ تھا۔ اس رسم کو بھی دھارمک رسم کہتے ہوئے بڑی پابندی سے اُس کی ادائیگی کی جاتی تھی۔ ستی کے نام پر جلائی جانے والی لڑکیوں کا کوئی مددگار نہ تھا۔

انگریزوں نے ستی کی رسم پر پابندی لگائی تھی۔ اسی لیے ساوتری بائی انگریزوں کی حامی بن گئی۔ ساوتری بائی نے جیوتی با کی توجہ بے جوڑ شادیوں کی طرف راغب کی اور اس پر روک لگانے کی کوشش میں وہ مشغول ہوئے۔ انھوں نے لڑکیوں کے والدین کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی۔ کیونکہ اکثر والدین ہی اچھے رشتوں سے مایوسی کے بعد اپنی لڑکیوں کی اس طرح بے جوڑ شادیاں کر دیتے تھے۔ ساوتری بائی

نے اس کی مخالفت شروع کردی۔ یہاں بھی انھیں بہت لعن طعن برداشت کرنا پڑا۔ اکثر لوگ تو یہ ہمارا نجی معاملہ ہے کر کے جھڑک دیتے تھے۔ پھر بھی انھوں نے ہمت نہ ہاری اور ستیہ شودھک سماج کے ذریعے لوگوں میں بیداری پیدا کی۔ انھیں بے جوڑ شادیوں کے نقصانات بتا کر روکا گیا۔

بال ہتیہ پر دی بندھک گرہ (بچّوں کے قتل پر پابندی)

سماج کے دیگر مذاہیب کے ماننے والے مثلاً مسلمانوں اور عیسائیوں میں بیوا ہونے کے بعد عورتوں پر زندگی کے دروازے بند نہیں ہوتے تھے انھیں دوبارہ زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کی اجازت تھی۔ مگر ہندوؤں میں عورتوں کے دوبارہ شادی کرنے پر پابندی تھی نہ صرف پابندی اسے کسی ناسور کی طرح سب سے کٹ کر زندگی گزارنی پڑتی۔

بال ووا ہ (بچپن میں شادی) جن کی کم عمری میں شادی کردی جاتیں بیوہ ہونے پر اُن بچّیوں کی حالت قابل رحم ہو جاتیں تھیں۔ زمانے کی اونچ نیچ سمجھنے سے وہ قاصر ہوتیں اور کئی بار اپنا نقصان کر بیٹھتی۔ معصوم اور کم عمر کی لڑکیاں جلد ہی کسی کے بھی دام میں گرفتار ہو کر اپنی عزت گنوا دیتی تھی اور اگر وہ حمل سے ہو تو بچّے کو ضائع کر دیا جاتا تھا یا پیدا ہونے کے بعد اُسے مار دیا جاتا تھا۔ یہ قتل ناحق عورتوں پر ہونے والے دیگر مظالم کی طرح یہ ظلم بھی ساوتری بائی کے دِل کو تڑپاتا تھا۔ انھوں نے اس کام کی طرف جیوتی با کو راغب کیا۔ ساوتری بائی کے بغیر یہ کام ناممکن تھا۔ انھوں نے ہر طرح سے جیوتی با کی مدد کیں۔ ایسی عورتوں کے لیے انھوں نے زچہ خانہ اپنے گھر میں ہی شروع کیا۔ جہاں عورتیں حمل کے دوران آ کر رہتی، تولید حمل کے بعد ماں اور بچّے کے لیے رہنے کا انتظام اپنے گھر میں ہی کیا۔ انھوں نے اپنے گھر کے دو کمروں کو اِن بے سہارا عورتوں اور بچّوں کا مسکن بنا دیا۔ جہاں وہ اپنی مجبور ماں کے ساتھ رہ سکتے تھے۔ یا اگر

لاوارث ہوتو انھیں ساوتری بائی کی ممتا اپنے آنچل میں چھپا دیتی تھی۔

ایک ایسا زچہ خانہ (ڈلیوری ہاؤس) جہاں ماں اور بچے کو آسرا مل جاتا تھا۔ اور بچّے کے ساتھ ساتھ ماں کو بھی سر چھپانے کی جگہ اور دو وقت کی روٹی مل جاتی تھی۔اب ایسی عورتیں جن کا کوئی نہ ہونے کی وجہ سے نوبت خودکشی تک آتی تھی اُن کے لیے یہ جگہ کسی نعمت سے کم نہیں تھی جہاں وہ اپنے بچّے کے ساتھ رہتی تھی۔عورتوں کے لیے اور اُن کے گھر والوں کے لیے سماج کی نظروں سے بچنے کی آسان راہ ہوتی کہ خاموشی سے بچّے کو مار دیا جائے۔وہ یہ حقیقت نہیں سمجھتے تھے کہ اگر عورتوں کو اُن کا جائز حق دیا جائے تو وہ بھی اس قسم کے گناہوں سے بچ جائے گی اور دیگر لوگ بھی اسے لاوارث سمجھ کر اُس کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے۔

اس جگہ کئی بچّے تھے۔پہلے پہل ۷،۸ بچّے تھے۔اُن میں سے تین چار جلد ہی کمزور ہونے کی وجہ سے انتقال کر گئے۔جیوتی بانے گود لیا لڑکا انہی بچّوں میں شامل تھا۔جسے بعد میں انھوں نے گود لیا تھا۔سماج ایسے بچّوں کو دھتکار دیتا ہے۔اسی لیے انھوں نے پہلے یہ قدم اُٹھایا کہ انہی بچّوں میں سے ایک کو گود لیا۔تاکہ دوسرے بھی یہ قدم اُٹھائے۔دوسروں کے گناہ معصوم بچّے کیوں جھیلے۔یہ قتل ناحق سماج میں بڑھتا جا رہا تھا۔اس حقیقت کو جیوتی با اور ساوتری بائی نے سمجھ لیا تھا۔اسی لئے پہلے انھوں نے اُن معصوم بچّوں کی حفاظت کی خاطر یہ قدم اُٹھایا مگر اس کے لیے بھی جیوتی با اور ساوتری پر چاروں طرف سے لعنت ملامت کی گئی۔سماج اور دھرم کے ٹھیکیداروں نے اُن کا جینا دوبھر کیا۔مگر وہ دونوں اپنے مقصد پر ڈٹے رہے۔

بیوہ عورتوں کی دوبارا شادی

بیوا عورت کو ایک معمولی چیز کی طرح گھر کے کونے میں پھینک دیا جاتا تھا اُس کے بھی جذبات ہوگے وہ بھی انسان ہے اس کی کسی کو فکر نہ تھی ۔ جو عورت بیوہ ہوجائے اُس ایک الگ کمرے میں رکھا جاتا، اُس کے بال کاٹ دئے جاتے اور کسی بھی قسم کی خوشیوں کی محفلوں میں اسے جانے کی اجازت نہیں ہوتیں ۔ وہ رنگ برنگی کپڑوں سے محروم ہوکر صرف سفید رنگ کے کپڑے ہی استعمال کرسکتی تھیں ۔اُس کی جائز خواہش کو ناجائز تسلیم کیا گیا تھا ۔ ایک بار بیوا ہانے کے بعد زندگی کے دروازے اُس پر بند کردیے جاتے تھے اور اپنی باقیہ زندگی وہ کسی گنہگار کی طرح گزارتی تھی ۔ کسی کی شادی میں شرکت کرنا اُس کے لیے کسی پاپ سے کم نہ تھا ۔شادی شدہ عورت پر اُس کا سایہ پڑجانا نحوست کی بات سمجھی جاتی تھی ۔ شادی والے گھر میں چاہے وہ اُس کے اپنے والدین کا گھر ہو، یا اُس کے بھائی بہن کی شادی ہو۔ اُس میں بھی وہ شرکت نہیں کرسکتی تھی ۔ شادی کی تمام رسمیں ہونے تک وہ ایک کمرے میں بند کردی جاتی تا کہ اُس کے سایہ سے نئی دلہن کو محفوظ رکھا جائے ۔ اس طرح کے خود ساختہ بنائے گئے رسم و رواجوں کی وجہ سے وہ ساری دنیا سے کٹ کر گھر کے ایک کونے میں زندگی گزارنے پر مجبور تھی ۔ اِن تمام باتوں نے ساوتری بائی کے دل کو ہلا کر رکھ دیا اور انھوں نے اس کی طرف بھی جیوتی با کی توجہ دِلائی تھی ۔

جیوتی با پہلے سے ہی ایک اہم فیصلہ لے چکے تھے ۔ بس ایک قدم آگے

بڑھانا تھا۔ تا کہ اِن کی زندگی کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دے۔ عورتوں کو بھی دوسری شادی کر کے اپنی زندگی کو نئے سرے سے شروع کرنے کا حق دلا دے۔

ساوتری بائی جو کہ ہر وقت ہر قسم کے حالات کا سامنے کرنے کے لیے اپنے شوہر کا ساتھ کھڑی ہوتی تھی۔ اس سے جیوتی با کا حوصلہ بڑھا انھوں نے سب سے پہلے ایک اہم کام کیا کہ تمام حجاموں کو بُلا کر سمجھایا کہ عورتوں پر یہ ظلم ڈھانا بند کر دو، اب سے تم لوگ اُن کے بال مت کاٹو۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارا دھندا ہے۔ تب ساوتری نے انھیں سمجھایا کہ تھوڑے سے پیسوں کے لیے کسی آبلا ناری کی ساری عمر کو ایک عذاب بنا دینا اُس کی قدرتی خوبصورتی کو زائل کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ بہت سمجھانے کے بعد وہ لوگ سمجھ گئے اور انھوں نے عورتوں کے بال کاٹنے سے انکار کیا۔ ''دین بندھو'' نامی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی۔ یہ ایک تاریخی حادثہ تھا۔ اس بات کی حوصلہ افزائی لندن کے اخباروں میں بھی کی گئی۔ وہاں سے ساوتری بائی کے لیے مبارک باد کے پیغام آئے۔

۱۸۶۰ء میں جیوتی با نے بیوا عورتوں کی شادی کرانے کے کام کا بیڑہ اُٹھایا۔ اس کام کے لئے بھی انھیں سماج میں چاروں طرف سے دھتکارا ہی ملی۔ کسی نے انھیں سراہا نہیں، بلکہ چاروں طرف سے اُن پر لعنت ملامت کیں گئیں۔ دھرم کے نشٹ ہونے کا اعلان ہوا۔ جیوتی با کے کام کو ایک غلط قدم قرار دیا۔ سارے دھرم کے ٹھیکیدار اُن کے خلاف ہو گئے۔ مگر وہ دونوں کسی بات کی پرواہ کئے بغیر اپنے کام کرتے رہے۔ اُن کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔

بیوہ عورتوں اور بچّوں کا گھر

۱۸۶۴ء میں جیوتی با اور ساوتری بائی نے باقاعدہ ایک یتیم خانہ کھول دیا۔ جہاں وہ عورتیں اور بچّے جن کا کوئی نہ تھا وہ ساوتری بائی کے ممتا کے سائے میں رہنے لگے۔ ''اناتھ بالک آشرم'' کا قیام عمل میں آیا۔ یہ آشرم اُن کے گھر میں تھا۔ یہاں ایسے لاوارث بچّے جنھیں لوگ یہاں وہاں لوگوں سے نظر بچا کر کہی پر بھی چھوڑ جاتے تھے۔ اور وہ بچّے جن کا کوئی نہیں ہوتا تھا وہ اب اس یتیم خانہ میں رہنے لگے۔ ساوتری بائی جیسے کئی بچّوں کی ماں بن گئی۔ وہ عورتیں جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا تھا۔ بیوا ہونے کے بعد جن پر سسرال کے ساتھ ساتھ میکے کے دروازے بھی بند ہو جاتے تھے۔ ایسی بے سہارا عورتوں کے لیے ساوتری بائی کا آشرم کسی پرسکون گوشہ سے کم نہ تھا۔ جہاں وہ سکون کے ساتھ رہ سکتی تھیں۔

ساوتری بائی کے کاموں میں اضافہ ہوا۔ اب اسکولوں کے ساتھ ساتھ یتیم خانہ کی نگرانی بھی ضروری تھی۔ چھوٹے چھوٹے معصوم بچّوں کا سوال تھا۔ انھیں ہر قسم کی سہولت مہیا ہے یا نہیں، اُن کی دیکھ بھال صحیح طریقے سے ہو رہی ہے یا نہیں، وقت پر انھیں کھانا اور دوائی مل رہی ہے یا نہیں اور وہاں موجودہ لوگ اُن کے ساتھ حق تلفی تو نہیں کر رہے ہیں۔ اب یہ تمام فکریں ساوتری بائی کے سر ہو گئی۔

اُس زمانے میں میں ۶، ۷ اور ۸ سال تک کی بیوا لڑکیاں ہوتیں تھیں۔ جو بچّوں میں ہی شمار کی جاتی تھیں۔ اب تک انھیں صحیح معنی میں زندگی کا مطلب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ بیوا کے لقب کے ساتھ کسی غلاظت کی طرح ایک کونے میں پھینک دی جاتی تھیں۔ ساوتری بائی کے آشرم کی وجہ سے اُن لڑکیوں کو ایک پناہ میسّر ہوئی۔ جہاں انھیں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ زندہ رہنے کا ہنر بھی سیکھایا جا رہا تھا۔

اس کارِ سعید میں اُن کے ساتھ گوپال ہری دیشمکھ، نور نگے، پرمانند، تکارام تاتیا پٹوڑ وغیرہ مددگار بن کر آ گئے تھے۔ دیکھ بھال کے لیے چار پانچ تربیت یافتہ خدمات گار بھی رکھیں تھے۔ جو بچّوں کو صحیح طرح سے سنبھال سکے۔ اب جن بچّوں کا کوئی نہیں ہوتا، اُن کے لئے جیوتی با کا گھر ہی جائے پناہ تھی۔ اس بات پر چاروں طرف سے اُن پر لعنت ملامت کیں گئیں۔ اس طرح کے کام کرنے سے دھرم کے نشٹ ہونے کا اعلان ہوا۔ جیوتی با کے کام کو ایک غلط کام قرار دیا تھا۔ مگر وہ دونوں کسی بات کی پرواہ کئے بغیر بے سہارا بچّوں کے سرپرست بن گئے تھے۔ اپنے کام کرتے رہے۔

دلتوں کے لیے اپنے گھر کا کنواں عام کیا۔

دلت لوگوں کے لیے سب سے پریشانی پینے کے پانی کی تھی۔ اونچی ذات والوں نے انھیں سختی سے اس بات سے روک رکھا تھا کہ جہاں جہاں سے وہ لوگ پانی لیتے تھے۔ وہاں سے پانی لینا تو دور کی بات اُس کے قریب جانا بھی اُن کے لیے بڑے پاپ کی بات تھی۔ اس اُصول کے تحت وہ لوگ اُن کے کنواں سے دور دور رہتے تھے۔ اگر وہاں کوئی نہ بھی ہو تو وہ پانی نہیں بھر سکتے تھے۔ دلت لوگ دور دراز کے علاقوں میں جا کر پانی تلاش کر کے لاتے تھے۔

گاؤں اور شہروں میں موجودہ کنویں اُن پر حرام تھے۔ اسی لیے وہ گاؤں و شہر سے باہر جا کر پانی تلاش کر کے لاتے تھے۔ اگر اونچی ذات والوں کے پانی کے قریب سے بھی کوئی گزرتا تو وہ پانی اُن کی نظر میں گندا ہو جاتا تھا پھر وہ پانی کو بے دردی سے پھینک دیتے تھے۔ اکثر دور دراز سے پانی لانے میں بچّوں کی پیاس سے حالت قابل رحم ہو جاتی تھی۔ مگر کسی کو اِن لوگوں پر رحم نہیں آتا تھا۔

جیوتی با اور ساوتری بائی نے دلت لوگوں کے لیے پینے کے پانی کا حل یوں نکالا کہ انھوں نے اپنے ۱۸۶۸ء میں کنویں کا پانی اُن لوگوں کے یے عام کر دیا۔ خوشی سے دلت ٹوٹ پڑیں۔ اب انھیں پانی لانے کے لیے دور دور نہیں جانا پڑے گا۔ یہ بات اونچی ذات والوں پر بہت گراں گزری۔ ہر طرف سے اُن پر لعنت وملامت ہونے لگی۔ مگر جیوتی با اور ساوتری بائی نے اس کی کوئی پرواہ نہ کیں۔ اب ہر قسم کے حالات کے لیے وہ تیار تھے۔ اُن سے مظلوم دلت سماج کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ اُن لوگوں کی زندگی کو اندھیرے سے اجالے کی طرف لا رہے تھے۔

ستیہ شودھک سماج

۲۴ستمبر ۱۸۷۳ء جیوتی بانے ستہ شودھک سماج کی بنیاد ڈالی۔ اب تک جو بھی سماجی کام وہ کررہے تھے۔ وہ انفرادی طور پر تھے۔ یعنی جیوتی با اور ساوتری بائی اپنے چند مددگاروں کے ساتھ اُن کاموں کو انجام تک پہنچاتے تھے۔ اِن تمام کاموں کو اجتماعی طور پر کرنے کے لیے ایک ایسی تنظیم کی ضرورت تھی۔ جس کے تحت تمام سماجی کام قانونی طور پر کرسکے اور جس میں کئی لوگ شامل ہوکر ان کاموں کو آگے بڑھانے میں اہم رول ادا کریں۔

سماج میں پائی جانے والی غلام گری، سماج میں ہر طبقہ کو انصاف دلانے کے لیے اور خاص کر سب سے زیادہ سماج میں کم تر سمجھے جانے والے طبقہ کو اس تنظیم کے راستے سے انصاف دلانے کے لیئے اس قسم کی پہلی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اس تنظیم کا نام ہی ستیہ شودھک رکھنے کا مطلب ہر معاملہ کی سچائی کو جانچ کراسے عوام کے سامنے لانا۔ پیدائشی طور پر اپنے آپ کو اونچا اور دوسروں کو نیچ سمجھنے والے لوگوں کے اِن خیالوں کی تردید کرنا۔ ستہ شودھک سماج کے تحت تعلیم کو عام کرنا تھا۔ دور دور کے دیہاتوں میں تعلیم پہنچانا۔ تعلیم کے لئے جن وسائل کی ضرورت ہو اُن کا انتظام کرنا۔ سماجی میں ہونے والی ناانصافی کے خلاف آواز اُٹھانا اور نہ صرف آواز اُٹھانا بلکہ عملی طور پر اُسے پائے تکمیل تک پہنچانا، عورتوں کے حقوق کی حفاظت کرنا، عورتوں کو مردوں سے ایک دم کم تر سمجھنے والے سماجی ٹھیکداروں کے خلاف جہاد بلند کرنا۔ شادی، بیواؤں کی شادی، یتیم بچّوں کی دیکھ بھال اور سماج میں ستائی گئی تنہا عورتوں کے لیے ایک چھت مہیا کرنا۔ اِن تمام سماجی فلاحی کاموں کے لیے جیسے ایک پلیٹ فارم مل گیا۔ اس تنظیم کے چند اہم کام یہ تھے۔

ا) خدا اور بندے کے درمیان کسی تیسرے کی ضرورت نہیں، ہر بندا خود براہراست اپنے آقا سے تعلق رکھ سکتا ہے۔ اندھی تقلید کی غلام گری سے عوام کو آزاد کرانا۔ بھٹ

لوگوں کا بھولے عوام کوخوف زدہ کر کے انھیں اپنے بس میں کرتے تھے۔اس خوف سے عوام کوآزاد کرانا۔

۲) زمین دار اور ساہوکار لوگوں سے کسانوں کوآزاد کرانا۔

۳) تعلیم سب کے لیے آسان ہو جائے اور سب لوگوں تعلیم یافتہ بن جائے اس مقصد کو پائے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنا۔

جیوتی با کے ذریعے بنائی گئی اس تنظیم اور اس کے کاموں میں دل و جان سے حصّہ لیکر ساوتری بائی نے نہ صرف جیوتی با کا ساتھ بلکہ اُن کے بعد بھی اس کام کوآگے بڑھایا۔اس مشکل کام کے لیے ساوتری بائی نے اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ دیا۔خود تکلیف اُٹھا کر سماج کی بھلائی کے لیے دِن رات ایک کردیے۔سماجی کاموں کی طرف پہل خود انھوں نے کی۔جیوتی با نے ایک فیصلہ کیا اور ساوتری بائی بھی اُن کے فیصلے سے متفق ہوئی۔۱۸۷۴ء میں برہمن بیوا کے بیٹے یشونت کو گود لیا۔جیوتی با نے جن سماجی کاموں کے لیے سیہ شودھک سماج کی بنیاد ڈالی تھی اُس سماجی کام کی ابتدا خود اپنے گھر سے کی۔ستیہ شودھک سماج کے ذریعے ۲۵ دسمبر ۱۸۷۳ء میں پہلی شادی سادے طریقے سے سیتارام الہاٹی اور رادھا بائی گا ئینوبا کی ہوئی جس میں برہمن پروہیت کا کوئی عمل دخل نہ تھا۔اس پہلی تاریخی شادی کا اثر عوام پر زبردست ہوا۔

ستیہ شودھک سماج کے اہم کام:

☆ ستیہ شودھک سماج کے کاموں کے لیے ہفتہ میں ایک بار ہفتہ واری میٹینگ اور پندرہ دِنوں میں ایک بار کسی ایک موضوع پر بات کر کے بحث کرنا۔

☆ ستیہ شودھک سماج کے ذریعے ہی احمد آباد میں پانی کی پریشانی کو کم کرنے کے لیے چندہ جمع کر کے کلیکٹر کو ادا کیا گیا۔

☆ ستیہ شودھک سماج کی جگہ جگہ شاخیں کھول کر اس کے کام کو عام کرنا۔اس کام کے لیے تعلیمی چندہ جمع کرنا۔

☆ نائٹ اسکول کی شروعات کر کے جیوتی با نے پہلی بار دِن بھر کام کرنے والوں کے لیے ایک آسان راستہ نکالا۔

☆ لڑکے اور لڑکیوں کے اسکول لے کر آنے پر در ماہ ۵ روپے کا خرچ ستیہ شودھک سماج نے اپنے ذمہ لیکر لوگوں کے لیے آسانی پیدا کی۔

☆ ''برہمنوں کا قبصہ'' اور غلام گری'' جیوتی با کی کتابیں مفت میں تقسیم کی گئی تا کہ لوگ پڑھ کر سماج کی ناانصافی کی طرف آواز اُٹھائے۔

☆ بھارت کی زراعت اور کھیتی میں فائدہ مند قدم پر کتابیں لکھنے والوں کے لیے ۵۰ روپے کا انعام ظاہر کیا۔

☆ ستیہ شودھک سماج کی سوچ عوام تک پہنچانے کے لیے جگہ جگہ پروگرام منعقد کئے گئے۔

☆ غریب طلباء کے لیے وظیفے مقرر کیے۔ مفت تعلیم کا انتظام کیا۔ کالج میں داخلہ اور ہاسٹیل میں داخلے کے لیے تعلیمی پروگرام رکھے۔

☆ شادیوں میں مدد، اشاعت کے کاموں کے لیے مدد اور سماجی بھلائی کے کاموں کے لیے مدد ستیہ شودھک سماج کے ذریعے کی گئی۔

ستیہ شودھک سماج کے یہ کام سماج کی بھلائی کے لیے بہت ہی اہم ہوکر سماج کے لیے ایک خاص رول ماڈل کی حیثیت رکھتے تھے۔ جن کی بنیاد پر آگے آنے والوں نے سماج کی فلاح کے لیے اچھے اچھے کام کیے۔ جیوتی با کی وفات کے بعد ان سماجی کاموں کی باگ دوڑ ساوتری بائی کے ہاتھوں میں تھی۔

مہاراشٹر میں قحط

۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۷ء مہاراشٹر میں زبردست قحط پڑا۔ یہ قحط اس قدر بھیانک تھا کہ لوگ بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔۔اس قحط کی وجہ سے انسانوں اور جانوروں کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی۔لوگوں کو کھانے کے لیے اناج نہیں تھا۔ جانوروں کو چارا نہیں تھا۔اس قدر پریشان بڑھ گئی تھی کہ لوگوں کا زندہ رہنا محال ہوگیا وہ گاؤں چھوڑ کر جارہے تھے۔ندی نالےسکھے پڑے تھے۔تو کہی پر درخت سوکھ کے گر رہے تھے۔زمین میں دراڑیں پڑگئی تھی۔کئی لوگ بھوک پیاس برداشت نہ کر کے موت کی آغوش میں سو گئے تھے۔اس قدر بھیانک صورت حال مہاراشٹر کی ہوگئی تھی اس بھیانک قحط کی وجہ سے انسانی زندگی مشکل میں پڑی تھی۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے پورے مہاراشر میں جیوتی با اور ساوتری نے کمر کس لیں۔سب سے پہلے لوگوں کے لیے کسی بھی طرح کھانے اور پینے کے پانی کا انتظام کرنا تھا۔جس سے لوگوں کی زندگی بچ سکے۔عوام کی مدد اور آسانی کے لیے انھوں نے ۵۲ مفت ہاسٹیل کھولے۔جہاں پر کھانے اور پینے کے پانی کا انتظام کیا گیا تھا۔بچّے ، بوڑھے،عورتوں کے علاوہ ہاسٹیل خاص کر اُن طالب علموں کے لیے بھی تھے جو بھوک اور پیاس سے نڈھال پڑے تھے۔خالی پیٹ انسان کچھ بھی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا جب پیٹ میں پڑے گی تب ہی پڑھائی کا خیال بھی آئے گا۔پھُلے خاندان کی طرف سے یہ مدد لوگوں کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھی۔جس نعمت نے

وقت پر اُن کی بھوک مٹائی تھی۔

پونے میں دھن کوڑی کے مقام پر جیوتی بانے قحط سے پریشان بھوک پیاس سے نڈھال لوگوں کے لیے ایک لنگر قائم کیا جہاں دِن بھر ہزاروں روٹیاں بنتی تھیں۔وہاں چھوٹے معصوم بچّے ،اندھے ،لنگڑے اور بوڑھوں کو روٹی دی جاتی تھی۔اُن کے دوست شیوپّا جو مہانگر پالیکا میں افسر تھے انھوں نے اُس وقت اُن کی اس نیک کام میں مدد کی۔ساوتری بائی اپنے گھر میں بھوک پیاس کے مارے آنے والوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتی تھی۔

ساوتری بائی نے عورتوں کی معاشی ،سماجی ،تعلیمی اور مذہبی زندگی میں ایک انقلاب برپا کیا۔لوگوں کے لیے روزگار مہیا کیا اور انھیں محنت سے کما کر کھانے کی عادت ڈالی۔اپنی نظموں میں وہ اس نکتہ کی نشان دہی کرتی ہے کہ بغیر کسی محنت کے تو جانور بھی کھاتے نہیں وہ بھی اپنا رزق تلاش کرتے ہیں اور اپنے بچّوں کو بھی کھلاتے ہیں۔اسی طرح وہ مردوں کو شرم دلا کر کام کی طرف راغب کر رہی تھی۔نوجوانوں کو اپنے فرائض یاد دِلا کر انھیں خاندان والو کی سرپرستی کی طرف مائل کرنے کا کام بھی وہ بڑی دلجوئی سے کر رہی تھی۔کم ذات والوں کو اور عورتوں کو اُن کی حالت بدلنے پر اُکسایا جا رہا تھا تا کہ وہ خود بھی محنت کریں۔صرف انھیں مفت میں لینے کی عادت نہ پڑ جائے۔

جیوتی با کو مہاتما کا خطاب

۱۸۸۸ء میں جیوتی با کو ''مہاتما'' کا خطاب ملا۔ اُن کے سماجی کاموں کی وجہ سے انھیں اعزاز سے نوازا گیا۔ مہاتما کا خطاب دیا گیا۔ پھُلے خاندان کے سر پر توقیر کا ایک اور تاج پہنایا گیا۔ جیوتی با پھُلے نے اوائل عمر کے دور سے ہی سماجی فلاحی کام کرنے شروع کیے تھے۔ انھوں نے اپنے آپ بیتی کو جگ بیتی بنا کر سب کی توجہ دلت عوام کی طرف کردی اور اُن کی بھلائی کے لیے کئی ہاتھ تیار ہوئے۔ یہ جیوتی با کی سالوں کی محنت تھی کہ انھوں نے اپنی قوم کا درد سب کے دِلوں میں جگا دیا۔ اور اُن کے اندر زمین پر قدم جما کر کھڑے رہنے کی ہمت پیدا کیں۔

جیوتی با کے تمام کاموں میں اُن کی شریک سفر ساوتری بائی نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔ جیوتی راؤ سے مہاتما جیوتی با بننے کا سفر کن مشکل کانٹوں بھری راہوں سے منسلک تھا یہ تو وہی جانتے تھے مگر اُن کے ساتھ رہنے والے دوست واحباب جو اُن کی انتھک محنت سے واقف تھے وہ اُن کی کامیابی پر بہت خوش ہوئے۔ انسان کو اگر اُس کے کسی فعل پر سراہا جائے تو اُس کے اندر کام کرنے کی لگن اور تڑپ اور بڑھ جاتی ہے۔ اس عزت افزائی پر جیوتی با اور اُن کا گھرانہ بہت خوش تھا انھیں لگا جیسے اُن کی محنت آہستہ آہستہ رنگ لا رہی ہے۔ یہ خطاب اُن کی محنت اور لگن کا انعام تھا جو اُن کی زندگی میں حاصل ہوا۔

پلیگ میں خدمات

۱۸۹۷ء میں مہاراشٹر میں پلیگ کی بیماری عام ہوئی۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ ساوتری بائی کے لیے یہ وقت کسی امتحان سے کم نہ تھا۔ قحط کے بعد یہ صورت حال کافی پریشان کُن تھی۔ پونے کو تو جیسے پلیگ نے پکڑ لیا تھا۔ روز کئی لوگوں اجل کا شکار ہو جاتے تھے۔ خاندان کے خاندان خوف زدہ ہو کر گاؤں کے گاؤں اور شہر چھوڑ کر جا رہے تھے۔ انسانی زندگی مشکل میں تھی۔

ساوتری بائی نے اِن پریشان حالات میں بھی اپنے اوسان بحال رکھ کر لوگوں کی خدمت کے لیے تیار ہوئی۔ ساوتری بائی کی زندگی پر اگر غور کیا جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ خلق خدمت کے لیے ہی پیدا ہوئی تھی۔ پلیگ یہ ایک موروثی مرض ہے جو ایک سے دوسرے کو لگ جاتا ہے۔ اسی لیے لوگ اِن حالات میں جلد کسی کی مدد نہیں کرتے، انھیں یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہی وہ کسی مصیبت و بیماری کا شکار نہ ہو جائے۔ اِس قیامت خیز گھڑی میں یہ مشاہدہ بھی ہوا کہ لوگ موت کے ڈر سے اپنی اولاد کو تک چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔ گھر میں اگر کسی کو یہ بیماری ہوتی ہے تو سارے گھر کے افراد کسی اچھوت کی طرح اسے چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ اور وہ لاوارث کی طرح اپنی موت کا انتظار کرتا۔ ایسے نفسانفسی کے حالات میں خدمت خلق کا کام انجام دینا، بڑے دِل و جگر کا کام تھا۔

سرکار نے سرکاری خدمت گار ریڈ نافذ کیے تھے۔ ستیہ شودھک سماج کے کارکن بھی لوگوں کی مدد کر رہے تھے۔ ساوتری بائی کا بیٹا یشونت راجا کے یہاں

ملازمت کرتا تھا۔ ساوتری بائی نے یشونت کو وہاں سے بُلایا۔ اور سسانے کے محلے میں ایک ایمرجنسی دواخانہ کھلوایا۔ ساوتری بائی خود جا جا کر مریضوں کو دواخانے لے کر آتی، انھیں دوا پلاتی اور جگہ جگہ جا کر لوگوں کو دواخانے میں جا کر دوا لینے کی تلقین کرتی تھی۔ اسی دوران لوگوں کی خدمت کرتے کرتے وہ بھی پلیگ کا شکار ہوئی انھیں پتہ بھی نہیں چلا۔

پلیگ کے دوران جس طرح وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سماجی فلاحی کاموں میں مشغول تھی اور عام لوگوں کی مدد کر رہی تھی۔ اُن کے اس جذبہ نے سب کو متاثر کیا۔ ۱۰ مارچ ۱۹۹۸ء میں ہندوستانی گورمینٹ نے اُن کی خدمتوں کا اقرار کرتے ہوئے اُن کا پوسٹ اسٹیمپ جاری کیا۔ اُن کی اِن خدمات کو دیکھتے ہوئے آج بھی کئی انعامات حکومت اُن کے نام سے جاری کر رہی ہے مگر اُس دور میں لوگوں کی خاص کر اپنے لوگوں کی مخالفت اور ظلم برداشت کرتے ہوئے یہ سب خدمتیں انجام دینا آگ کا دریا پار کرنا تھا جو ساوتری بائی نے اپنے شوہر کی ہمراہی میں کیا اور اُن کی وفات کے بعد بھی انجام دیا۔

باب چہارم ساوتری بائی پھُلے کی ادبی تخلیقات

☆ ساوتری بائی پھُلے کا ادب سے لگاؤ

☆ کاوّے پھُلے

☆ باون کشی سبودھ رتنا کر

☆ ساوتری بائی کے لکھے خطوط

☆ ساوتری بائی کے بھاشن

ساوتری بائی پھُلے کا ادب سے لگاؤ

سماجی کاموں کے ساتھ ساتھ ساوتری بائی کی مراٹھی ادب میں خدمات بھی قابلِ رشک ہیں۔ ساوتری بائی پھُلے نے شادی کے بعد تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ درس و تدریس کے پیشے سے جُڑی رہی۔ اس کے علاوہ انھوں نے سماج کی فلاح و بہبودی کے لئے اپنی نظموں کے ذریعے بھی لوگوں کو جگانے کا کام کیا۔ اُن کا تخلیق کردہ ادب اُن کے جذبات، احساسات اور تجربات کا نچوڑ ہیں۔ اُن کے ادب میں سماج کا درد سانس لے رہا ہے۔ اس ادبی تخلیق میں مراٹھی شاعرانہ کلام کے فنی تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہے یا نہیں یہ جانچنے کی بجائے مصنفہ کا شاعرانہ انداز میں سماج کے درد کو پہچان کر اپنے کلام کی زینت بنانا تاکہ قاری اُن کا درد سمجھ کر قوم کے درد کو سمجھے اور اسے حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس بات کو سمجھنا زیادہ ضروری ہے تب ہی قاری اُن کے اندر چھپا درد جان سکتا ہے۔ اُس وقت انھوں نے جس بات کو محسوس کیا۔ اُن کے اُس وقت کے جذبات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ آج کے مقابلے میں اُس وقت کے حالات بہت مختلف تھے۔ سماج میں پائی جانے والی ابتری نے ایک بے چینی کی فضا پیدا کر دیتی تھی جس سے ایک انسان جو اپنے دِل میں ہمدردی اور درد رکھتا

ہو وہ ان سب چیزوں کو کس انداز میں دیکھ رہا ہے۔ یہ جاننا اہم ہے۔ قدرتی ماحول کی خوبصورتی میں محو ہوکر وہ پھولوں کی خوبصورتی ودلکشی کو محسوس کرتی تھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ انسان کی بے حالی پر بھی افسوس کرتی تھی۔

ساوتری بائی پھُلے کی تصانیف

۱) ''کاوے پھُلے'' ۱۸۵۴ء

۲) ''باون کشی سوبودھ رتنا کر'' ۱۸۹۲ء

۳) ساوتری بائی نے جیوتی با کو لکھے ہوئے خط

ساوتری بائی نے اپنے شوہر جیوتی با کو لکھے تین خط ہے۔ پہلا خط ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۶ء میں، دوسرا خط ۲۹ اگست ۱۸۶۸ء میں اور تیسرا خط ۲۰ اپریل ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا تھا۔ یہ تینوں خط موڑی زبان میں تھے۔

۴) ساوتری بائی کے بھاشن اور گیت

یہ ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔

۵) جیوتی با کے بھاشن

یہ کتابچہ مسز میچل اور ریول میچل کی مدد سے ساوتری بائی نے تیار کر کے شائع کیا۔ ۱۸۵۸ء ۲۵ دسمبر میں یہ چار بھاشن ایک کاپی میں لکھے ہوئے تھے۔

۶) شیومہمن سوتر

اس سنسکرت زبان میں موجود پوتھی جو ساوتری بائی کے لائبریری میں موجود تھی جس کے کچھ حصّے کا انھوں نے موڑی زبان میں ترجمہ کیا۔

اُن کے ہاتھ کے لکھے ملے تھے۔

۷) ساوتری بائی کی لائبریری سے ملے ادبی مواد جس میں ان کے ہاتھ کی دسخت موجود ہیں۔اس ادبی مواد میں اُن کے ہاتھوں سے بنی سورج گہن اور چاند گہن کی تصویریں، اُن کے ہاتھ سے کیئے انگریزی کے دستخت، کہاوتیں اسکے علاوہ پڑھائی کرتے وقت کئی کتابوں اور صفحوں پر اُن کے ہاتھ کے دسخت اور جگہ جگہ لگائے ہوئے نشان ملتے ہیں۔

کاوِیے پھلے

ساوتری بائی کی پہلی ادبی کاوش یعنی ''کاوِیے پھلے'' ہیں۔ جو ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی۔ جو۴۱ نظموں کا مجموعہ ہے اس مجموعہ میں سات قسم کے مضامین نظر آتے ہیں۔

۱)قدرتی : پیلا جافا، جائی کے پھول، جائی کی کلی، گلاب کا پھول، تتلی اور پھول کی کلی، انسانیت کی نظر اور مٹّی کی اووی

۲)سماجی: سماجی موضوع پر منو کہتا ہے، بہاونتی کھیتی، شودروں کے دکھ، انگریزی ماؤلی، شودر لفظ کا مطلب، بڑھی ستروت، شودر کے پراولمب، اس کو انسان کہتے ہے کیا؟، بے علمی، ساوتری اور جوتی با کے مکالمے

۳)دعائیہ: اس موضوع پر ٦ نظمیں ہیں۔تمہید، نذرانہ، دعا شیو کے لیے، شیو ستر وتر، ایش ستون، بلی کے ستر وتر

۴)ذاتی: جوتی با کو نمسکار، جوتی با کا بودھ، ہماری آؤ، میری جنم بھومی اور سنسار کا انتظار

۵)شاعری کے متعلق: شاعر کی نظر، احمق شاعر اور احمق شاعری

٦)تعلیمی :نیند سے جاگو تعلیم حاصل کرو، انگریزی سیکھو ،لڑکیوں کے گروپ کے مکالمے اور جہالت وغیرہ

٦)نصیحت (بودھ): وہی سنت، اصلی دولت (دھن)، بچّے کو نصیحت، منّت، بولو نا گڑیا

۷)تاریخی: چھترپتی شیواجی، رانی چھترپتی تارابائی،

اس کے علاوہ استقبالیہ گیت، دیش بھگتی کے گیت اور عقیدت مندانہ گیت موجود ہیں۔

قدرتی موضوع: پیلا جافا، جائی کے پھول، جائی کی کلی، گلاب کا پھول، تتلی اور پھول کی کلی، انسانیت کی نظر اور مٹّی کی اووی

قدرتی مناظر میں جہاں وہ پھولوں سے متعلق اپنے جذبات کی عکاسی کررہی ہے۔ وہی اُن کے قدرت سے لگاؤ اور اُن میں جمالی حس کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ پیلا جافا، جائی کے پھول، جائی کی کلی، گلاب کا پھول، تتلی اور پھول کی کلی وغیرہ، قدرت سے لگاؤ اور اُنس کا اظہار اُن کی نظموں میں جھلکتا ہے۔ وہ صرف پھول کی خوبصورتی کو محسوس نہیں کرتی بلکہ اُن کی نظریں اُس کے دُکھ کو بھی دیکھ لیتی ہے کہ کس طرح لوگ پھول کی خوشبو سونگھ کر یعنی اسے استعمال کر کے پھینک دیتے ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ جب میں نے جائی کے پھول کو دیکھا تو ایسا لگا جیسے اپنے خوبصورت سفید رنگ کے ساتھ مسکرا رہا ہو۔ اُسے دیکھ کو میرا دِل باغ باغ ہوا اور جب اُس نے مجھے شرما کے دیکھا تو میرے دِل میں ہلچل مچ گئی۔ آخر میں وہ اُس خوبصورت پھول کا درد جان لیتی ہے۔ پھول اُن سے کہتا ہے کہ یہ دنیا کی رسم ہے اپنا کام نکلنے کے بعد وہ قدر نہیں کرتے جیسے پھول کی خوشبو کا مزا لینے والے اُس سے فرحت حاصل کر کے پھر اسے پھینک دیتے ہیں۔ اور یہ لوگوں کا مزاج ہے کہ جب کسی سے ضرورت ہوا سے اپنے قریب کریں گے اور جب اپنا کام ہو گیا تو لاپرواہ ہو جائے گے۔

''گلاب کا پھول'' اس نظم میں وہ گلاب کا مقابلہ کنیر کے پھول سے کرتی ہے کہ دونوں بھی پھول ہی ہے مگر اُن کی خوشبو اُن کی بناوٹ میں فرق ہے اسی طرح انسان سب جسمانی ساخت کے لحاظ سے یکساں نظر آتے ہیں مگر اُن کی خصلت جدا جدا

ہے۔ ہر ایک عادت واطوار میں دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ جیسے گلاب اور کنیر کا پھول یکساں شکل رکھتے ہیں مگر دونوں کی خصلت الگ الگ ہیں۔ جیسے کرشن اور کنس، شاعرانہ انداز میں وہ انسان کو نصیحت کرتی ہے کہ وہ گلاب کے پھول کی خاصیت والا بنیں جس میں خوبصورتی بھی ہے اور خوشبو بھی ہے جس سے سب کو فائدہ ہی ہوتا ہے نقصان نہیں ہوتا۔ ایسا انسان جس کا وجود ہی خوشبو اور فرحت کا باعث ہو اُس انسان کے برابر ہوسکتا ہے کیا جس کے وجود سے سب کو تکلیف پہنچتی ہے۔

شاعرانہ انداز میں ہی انھوں نے سماج کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا ہے۔ ''تتلی اور پھول کی کلی'' اس نظم میں ساوتری بائی نے بہت ہی خوبصورت انداز میں ایک تتلی اور کلی کا ذکر کیا ہے کہ ایک چمکدار آنکھوں والی، خوبصورت رنگ برنگی، دلکش ڈیزائن، ریشمی پنکھ، اُس پر اُس کا خوشی سے بھرپور مسکراتا ہوا چہرہ اور ادھر سے اُدھر دوڑنا اترانا اور کھیلنا یہ دیکھ کر پھول کی کلی بھی اُس کے چاہ کی تمنا کرنے لگی کہ اے تتلی میرے پاس آؤ، میرے ساتھ کھیلو مگر اُس کی یہ تمنا حسرت میں بدل گئی جب شہید کی مکھی اُس کے پاس آکر اُس کا سارا حسن چوس کر اُڑ گئی اور مرجھائی ہوئی کلی اپنا حشر دیکھتی رہ گئی۔

''مٹّی کا گیت'' اس نظم میں انھوں نے مٹّی کس قدر انسان کے کام آتی ہے اس حقیقت کو عیاں کیا ہے۔ کھیتوں میں مٹّی ہی کے دم سے پھل، پھول اور اناج کی پیداوار ہوتی ہے۔ اسی مٹّی سے انسان اپنے رہنے کے لیے گھر بناتے ہیں۔ انسان کا اس سے قریبی رشتہ ہے اور کس قدر ہم مٹّی کی عظمت بتائیں۔

''انسان اور کائنات'' اپنی اس نظم میں یہ دنیا اور انسان ایک دوسرے کے کس طرح لازم وملزوم ہے اس بات کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ بارش ہوتی ہے چاروں

طرف ہر شئے دھل کر صاف ہو جاتی ہے۔ ہر شئے نکھر کر بہاروں کا سما پیش کرتی ہے پھول و پھل اور فصلیں رنگ برنگی پوشاکیں پہنیں ہیں۔ وہی پر کوئل کوک رہی ہے۔ مور خوشی سے ناچ رہے ہیں پھولوں کے گرد بھنورے بھی خوشی سے ناچ رہے ہیں کہ اس قدر خوبصورت نظارہ کہ زندگی خوب صورت لگ رہی ہے یہ دنیا خوبصورت لگ رہی ہے اور انسان بھی خوبصورت لگ رہا ہے۔ جس طرح دنیا کی ہر شئے خوشی سے جھوم کر خوش ہو رہی ہے اسی طرح انسان بھی ہر ڈر و خوف کو چھوڑ کر جیو اور جینے دو کی مثال بن کر انسانی زندگی کی ترقی میں حصّہ لیں کیونکہ وہ اور کائنات ایک سکّہ کے دو پہلو ہیں اسی لیے اس دنیا کو انسان اپنی اچھی صفت سے سجائیں جس طرح قدرت نے اس دنیا کو خوبصورت بنایا ہے اسی طرح انسان اسے اپنی نیک صفت سے گلزار بنا دیں۔ شاعرہ نے بہت ہی خوبصورت خیال پیش کیا ہے۔

سماجی کی اصلاح کے پیش نظر انھوں نے سماجی موضوعات کو بھی اپنی نظموں میں شامل کیا ہے۔ جیسے انگریزی مائی، شُودر لفظ کا مطلب، 'شُدروں کی بیماری' منو کہتا ہے، تو کیا انھیں انسان کہے؟ کھیتی، انگریزی ماؤلی، منّت، بے علمی، ساوتری اور جوتی باکے مکالمے وغیرہ

اپنی نظموں میں سماجی موضوعات پر قلم اُٹھاتے ہوئے اُن کے اندر کا درد پوری طور پر عیاں ہوتا ہے جیسے ایک ماں اپنے بچّے کی بھلائی کے لئے کوشاں رہتی ہے اسی طرح وہ بھی پورے خلوص کے ساتھ سماج کی بھلائی میں کوشاں نظر آتی ہے۔ اُن کے اندر بسا درد پوری طور پر اجاگر ہو کر اُن کے قلم میں سما جاتا ہے اور وہ ایک ناصح کی طرح قوم کے زخم کو عیاں کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی مرہم پٹّی کرنے میں جُٹ جاتی

ہے ۔اندھے عقیدوں کی وہ مخالفت کرتی تھی ۔انھوں نے اپنی نظموں میں قوم کو اندھے اور دقیانوسی عقیدوں پر بھروسہ رکھنے سے روکا ہے کہ جہالت چھوڑ دو اور زندگی کو سنوار لو۔ اِن نظموں کے ذریعے انھوں نے سماج کی ابتر حالت پر رائے زنی کر کے انھیں سدھارنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔

اپنی نظم ''انگریزی مائی'' میں وہ انگریزی کی حمایت کرتی ہے۔اُن کا خیال ہے کہ انگریزی کی بدولت ہی اُن کی قوم اپنی حالت بدل سکتی ہے۔ پیشواؤں کا راج چلا گیا اب انگریزوں کا راج آیا ہے ۔ شُدروں کے دِل میں مایوسی کا گھور اندھیرا تھا، بڑی ذات والوں نے انھیں جنّت دوزخ کا خوف بے حساب دلا کر اپنے دام میں کر لیا تھا۔ وہ لوگ احساسِ کمتری میں مبتلا تھے۔ایسے وقت میں انگریز مائی آئی اب اِن پرانے رسم ورواج کو دور پھینک دو، ساری روایات کے دروازے توڑ دو، لکھنا پڑھنا سیکھ لو۔اچھا وقت آیا کہ انگریز مائی آئی۔شُدروں کی لاعلمی کی وجہ سے بھٹوں کی چالاکیاں اُن پر طرح طرح سے وار کرتی رہی، وہ اُن پر بہت ظلم کرتے تھے۔ پیشوائی مرگئی اور انگریز مائی آئی۔ بھٹ شاہی کی حکومت جل گئی، ہوشیار انگریز جیت گئے اور یہ شُدر جنوں کے مفاد میں اچھا ہوا۔ منوسمرتی مرگئی، انگریز مائی آئی۔

انگریز حکومت سُکھ والی ہوئی شُدروں کے لیے کہ انھوں نے اُن پر اپنے علم کا سایا کیا یہ مُلک اِنڈیا کسی کا نہیں ہے۔نہ ایرانیوں کا، نہ برہمنوں کا، نہ مسلموں کا اور نہ ہُنوں کا یہ تو سچّے اِنڈی کا خون ہے۔اسی لیے لگاؤ نعرے کہ انگریز مائی آئی۔

ساوتری بائی کے دِل میں بسی اپنے قوم کی تڑپ اس نظم میں پوری طور پر عیاں نظر آتی ہے۔وہ بہت ہی رنجیدہ ہے کہ قوم کی لاعلمی کی وجہ سے انھیں کس طرح

غلام بنا کر رکھا گیا۔ اس ملک میں کئی لوگوں نے حکومت کی مگر کوئی بھی اُن کے دکھوں کو سمجھنا سکا۔ اسی لیے یہ ملک کسی کا نہیں پھر چاہے وہ ایرانی ہو یا برہمن ہو، یا مسلمان ہو یا پھر ہُن ہو یہ ملک انہی سچے اِنڈی کا ہے۔

''شُودر لفظ کا مطلب'' اس نظم میں اُن کا کہنا ہے کہ اصل انڈین ہی شُدر ہے وہی اس ملک کہ حقیقی شہری ہیں۔ وہ بہادر ہمارے اباء واجدا تھے اور ہم سب اُن کے وارث ہیں۔ اُن کا نام ہی اَنڈین تھا۔

''شُدروں کی بیماری'' اس نظم میں اُن کا کہنا ہے کہ دو ہزار برسوں سے اِن لوگوں کو خدمت کی بیماری لگی ہوئی ہے کہ وہ زمینی خداؤں کے آسیب میں مبتلا ہو کر اپنی ہستی کو بھول گئے ہیں۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر یہ بات میرے دِل میں آئی کہ اِن کی بیماری ٹھیک کرنے کے لیے کون سا آسان راستہ اپنایا جائے جس سے اُن کو شفا ملے یہ سوچ سوچ کر ذہن تھک گیا۔ پھر یہ آسان راستہ نظر آیا کہ اِن لوگوں کو تعلیم یافتہ بنایا جائے۔ اگر وہ یہ راستہ اپنائے گے تو اُن میں انسانیت آئے گی اُن کی وحشت ختم ہو جائے گی۔ اس نظم سے اُن کے خیالات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے قوم کے لوگوں کو زمینی خداؤں کے ظلم سے بچانا چاہتی ہے جنھوں نے اپنے مطلب کے لیے انھیں ایک عذاب میں مبتلا کر رکھا ہین۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر ساوتری بائی نے جو راستہ دریافت کیا ہے جس سے اُن کی زندگی سے وحشت ختم ہو جائے گی اور یہی سب سے لائق اور آسان راستہ ہے۔

''منو کہتا ہے'' اس نظم میں وہ کہتی ہے کہ جو لوگ کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں کھیتی کرتے ہیں۔ منو اُن کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ کندہ ذہن ہیں۔ منوسمرتی کہتی

ہے کہ مذہب نے برہمنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ کھیتی نہ کریں۔ وہ صرف مذہبی کاموں کے لیے ہیں۔ اور شُدر اُن کے کام کے لیے ہی جنم لیتے ہیں یہ اُن کے پہلے کا پاپ ہے جو وہ لوگ اس جنم میں ادا کرتے ہیں۔ یہ غیر مساوی تقسیم ہے۔ سماج کی یہ ریت عیّاروں کی چالاکی ہے جو غیر انسانی ہے۔

''تو کیا انھیں انسان کہے'' میں انھوں نے اپنی قوم میں پائی جانے والی بُرائیوں کا باریک بینی سے مشاہدہ کیا کہ اِن میں علم اور تعلیم نہیں ہے اور نہ ہی اسے حاصل کرنے کا جذبہ ہی ہے۔ عقل کا تو وہ لوگ استعمال بھی نہیں کرتے، اور نہ ہی اُن کی عقل کچھ کام کرتی ہے۔ حیوان تک اپنے بچّوں کی فکر کرتے ہیں۔ انھیں آرام پہچانے کا، اُن کے کھانے پینے کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر تم حیوانوں سے بھی گئے گزرے ہو جو اُن کی بنیادی باتوں کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ تو کیا انھیں انسان کہے؟ پہلے تو انھیں کسی کی ہمدردی نہیں ملتی اور اگر کوئی ان سے ہمدردی کرنا بھی چاہے تو انھیں پرواہ نہیں ہوتی، یہ بے حس کی انتہا ہے کہ نہ تو وہ کسی کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی ہمدردی کو محسوس کرتے ہیں۔ تو کیا انھیں انسان کہے؟ بے شرموں کی طرح عورتوں کی کمائی پر گھر بیٹھ کر کھاتا رہے، جب کہ حیوان بھی ایسا نہیں کرتے، نہ انھیں اپنی مفلسی کا غم ستاتا ہے اور نہ بیوی بچّوں کا غم رلاتا ہے۔ تو کیا انھیں انسان کہے؟ دوسروں کی مدد کرنے کا جذبہ ہے اُن میں اور نہ ہی اُن کے اندر خدمت، رحم قربانی کے جذبات ہیں، نہ حق گوئی ہے اور نہ اُن کے پاس راست بازی ہے۔ اور نہ اپنی غلامی کا انھیں کوئی دُکھ ہے۔ تو کیا انھیں انسان کہے؟ ایک مکمل دُکھ میں ڈوبی ہوئی نظم ہے جس میں قوم کا درد سانس لے رہا ہے۔ قوم کی بے حسی نے انھیں دُکھ کے سمندر میں ڈوبو دیا ہے۔ اور وہ چاہتی ہے

کہ اپنی قوم کی اس بے حسی کو کھینچ کو نکال دیں۔ اُسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔ اُس کے اندر سوئے ہوئے انسان پر سے حیوان کی کھال کھینچ لے۔

''کھیتی'' اس نظم میں وہ کہتی ہے کہ شُدر کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔

کھیتی اناج دیتی، شُدروں کی محنت کے بل بوتے پر ہی سب کھاتے ہیں۔ پکوان کرتے دعوتیں اُڑاتے ہیں اُڑاتے ہیں۔ مطلبی رواج بنا کر رکھے ہیں جو لوگ کھیتی کا کام کرتے ہیں۔ تعلیم پاتے ہیں وہی سُکھی ہوتے ہیں۔

''انگریز ماولی'' اس نظم میں انگریزوں کی تعریف کی گئی ہے یہ ایک توصیفی نظم ہے۔ کہ انگریز شودروں کی ترقی دِل سے چاہتے ہیں۔ یہ انگریز ماولی ہے موغلائی نہیں، نہ ہی پیشوائی اور نہ ہی بے وقوف شاہی۔ انگریز ماولی شُدروں کو علم، سچائی اور زندگی دے رہی ہے وہ بھی پیار و محبت سے، انھیں پانی پالا رہی ہے۔ جیسے کوئی نانی اپنے بچّوں کی پرورش کرتی ہے ویسے ہی انگریز ماولی اُن کی پرورش کر رہی ہے۔ انگریز ماولی اُن کے اندر بسی حیوانیت کو ختم کر کے انھیں زندگی دے رہی ہے۔

ساوتری اور جیوتی با کے آپس میں جو بات چیت ہوتی رہتی ہے۔

اُسے مکالموں کی شکل دیکر ساوتری بائی نے جو نظم کہی ہے۔ اُس نظم میں قدرتی منظر کی منظر کشی کرتے وقت رات کے اندھرے کو جہالت سے تو دِن کے اجالے کو بہ مثل علم کہا ہے۔ جس طرح ہر رات کے بعد صبح طلوع ہوتی ہے اور رات کے اندھیرے کو نگل جاتی ہے اسی طرح علم کا اُجالا بھی سماج میں چھائی جہالت کے اندھیرے کو نگل جائے گا۔ اور علم کی صبح سے سماج روشن ہوگا۔ یہ روشن خیال اُن کی اس نظم میں پایا گیا ہے۔

ساوتری:

غروب ہوا چاند سورج طلوع ہوا
سحر نمودار ہوئی مشرق کی سمت میں
جوتی با کو دِکھلائی اُفق اُنگلی سے
کہا غور سے سمت کو دیکھو

جوتی با:

چلو ہم دونوں جائیں باغ میں
رونق دیکھیں بیٹھ کر دونوں
سورج کا وہ گولا گھومتا گلابی
اوپر آرہا تھا آسمان میں
وہ تتلیاں اُڑتی پھولوں پر
بجائیں سیٹی پرندے پیڑوں پر
ہوا بہتی میٹھی سحر زدہ ہوئی کائنات
ہوئی بہت، دُکھی وہ رات

ساوتری:

رات ہے سوچتی کائنات رہے تاریکی میں
رہے اندھیرے میں ہمیشہ ہر وقت
چمگادڑ کی خواہش ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہے
دیتی سورج کو بددُعا

زہریلی رات ظلمات کی رات گئی

سورج چمکا دُنیا میں ہوا اُجالا

<u>جوتی با:</u>

سچ ہوئے تیرے بول مِٹ گیا اندھیرا

شُدر اور مہار جاگ گئے

جاہل بنیں چمگادڑ کی خواہش

ڈھک کر رکھا مُرغا پھر بھی بانگ دیتا

سحر ہوئی بولتا لوگوں کو

<u>ساوتری:</u>

ظُلمات کی رات گئی جہالت بھاگ گئی

سب کو جگایا اُس سورج نے

بے نظیر طلوع ہوا

چلو جائیں اِنسانیت کے مرکز

مقام پر لے جائیں انسان کو اِندر کے ؎

تعلیم کی اہمیت سے متعلق انھوں نے بہت سی نظمیں لکھی ہیں۔ اُن میں ''نیند سے جاگو تعلیم حاصل کرو''، ''انگریزی سیکھو''، ''لڑکیوں کے گروپ کے مکالمے'' اور ''جہالت''، وغیرہ نچلی ذات کے لوگوں کے دُکھ کو محسوس کر کے وہ انھیں جھنجھوڑ رہی ہے کہ

اپنے حق کے لئے آواز اُٹھاؤ اور اب جاگ جاؤ اور تعلیم کے ذریعے اپنے حالات کو بدل دو۔ تعلیم ہی وہ ہتھیار ہے جو تمہاری پیشانی سے غلامی کا داغ مٹانے کی طاقت رکھتا ہے۔ تعلیم کا استعمال کر کے ہی تم سماج میں ایک اہم مقام حاصل کر سکتے ہو۔ صدیوں زندگی اس انتظار میں تھی کہ کوئی تو اسے اس غلامی سے نجات دیں اب وہ وقت آ گیا ہے۔ تمام رسم و رواجوں کی بیڑیاں توڑ کر آزاد ہو جاؤ۔ اور یہ سب کرنے کے لیے اپنے حق کے لئے آواز اُٹھانے کی انھیں اپنے اندر ہمت پیدا کرنی ہوگی۔

''نیند سے جاگو تعلیم حاصل کرو'' اپنی اس نظم میں ساوتری بائی نے اپنے دلت بھائیوں کو جگایا ہے کہ اب تو جاگ جاؤ، غلامی کی روایات کو توڑ دو، بھائیوں تعلیم حاصل کرنے کے لئے اُٹھو، منو اور پیشوا مر گئے جنھوں نے تمہارے لیے تعلیم کی ممانعت کی تھی۔ اب انگریز عالم آئے ہیں۔ ایسا موقعہ ہزار برسوں کے بعد ملا ہے اسی لیے ہم سیکھیں اور اپنے اولاد کو بھی سکھائیں، اپنا علم بڑھائیں، اپنی نس نس میں یہ حسد جگاؤ کہ میں تعلیم یافتہ بن جاؤں، میرے پیشانی پر پڑا شدر کا داغ مٹاؤ، انگریز کے راج میں تعلیم حاصل کر کے ہم اپنی کامیابی کے نقارے بجائے اور پرانی رسم و رواج کی تمام بیڑیاں توڑ کر اب تعلیم حاصل کرنے کے لیے جاگ جاؤ۔

''انگریزی سیکھو'' اس نظم میں وہ اس اہم نکتہ کی وضاحت کرتی ہے کہ علم کے بغیر انسان حیوان کے مشابہ ہے، آرام سے بیٹھنا چھوڑ کر تعلیم حاصل کرنے کی فکر کرنا چاہیے، ہمارے دُکھ دور کرنے کا یہی وقت ہے، انگریزی سیکھنے کا سنہرا موقعہ مل رہا ہے انگریزی سیکھ کر ذات پات کا اُصول توڑ دو۔

''لڑکیوں کے گروپ کے میں مکالمے'' میں لڑکیوں کے گروپ کا ایک

اجتماعی گیت میں جس میں پہلے گروپ کا کہنا ہے کہ اسکول جا کر پڑھا جائے۔ دوسرے گروپ کا کہنا ہے کہ ساتھ مل کر کھیلیں۔ تیسرے گروپ کا کہنا ہے کہ گھر جا کر ماں کا کام کیا جائے۔ چوتھے گروپ کا کہنا ہے کہ ماں سے پوچھے کہ کیا کریں۔ تب سب لڑکیاں ماں سے سوال کرتی ہے کہ ہم پہلے کیا کریں ماں کا کہنا ہے کہ لڑکیوں زندگی میں فخر سے جینے کے لئے خوب پڑھو، اسکول جاؤ، انسان کا اصل زیور علم ہی ہے۔ اس لیے سب سے پہلا کام اسکول جانا، دوسرا کام کھیلنا اور فرصت ملے تو گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنا۔ اس نظم میں زندگی میں تعلیم ہی سب سے زیادہ اہم ہے اس بات کی طرف نشاندہی کی ہے۔

''جہالت'' اس نظم میں اُن کے خیالات پڑھ کر ایسا لگتا ہے وہ جہالت کو ہی اپنی قوم کا سب سے بڑا دشمن مانتی تھی۔ وہ اس دشمن سے سخت نفرت کرتی ہے چاہتی ہے اسے مار مار کر بھگا دیا جائے یہی قوم کا سب سے بڑا دشمن ہے اسی کی وجہ سے قوم صدیوں سب کی غلام بنتی آ رہی ہے۔ اسی لیے بچّوں کو اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ تم اپنے سب سے بڑے دشمن کو جان لو اُس نام یاد کرلو وہی ازل سے تمہارا دشمن ہے۔ اس کا نام غور سے سنو وہ ہے ''جہالت'' یہ نظم ہمیں اُن کے خیالات سے آگاہ کراتی ہے کہ قوم کی جہالت کا غم انھیں خون کے آنسوؤں رلاتا تھا۔

دعائیہ انداز میں انھوں نے ۶ نظمیں لکھیں ہیں۔ تمہید، نذرانہ، دعا شیو کے لیے، شیو ستر وتر، ایش ستون، بلی کے ستر وتر تمہید میں اپنی شاعری کے پھول نچھاور کرتی ہے۔ اور مشنری پریس کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے مددگار کی، اور پھر انھیں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ پھر دعا کرتی ہے۔

ذاتی نظموں میں اپنی ذات سے وابستہ شخصیتیں جیسے جیوتی با، سگونا (آؤ)

جیوتی با کے ساتھ بسے اپنے سنسار کے بارے میں اور اپنی جنم بھومی کی مدحیہ میں لکھیں ہیں۔ جوتی با کو نمسکار، جوتی با کا بودھ، ہماری آؤ، میری جنم بھومی اور سنسار کا راستہ

''جوتی با کو نمسکار'' اس نظم میں وہ کہتی ہے کہ میں دِل سے جیوتی با سلام کرتی ہوں، جنھوں نے مجھے علم کا امرت دیا زندگی دی۔ پھر وہ کہتی ہے کہ جوتی تم کمتر شودر کو اتی شُدر کو آواز دیتے ہو اپنی طرف بُلاتے ہو۔ علم دیتے ہو اور علم کی ہماری ترقی کرے گا۔

''جوتی با کا بودھ'' اس نظم میں جیوتی با کی نصیحت ہے۔ ساوتری بائی یہاں انھیں عقیدت سے کہتی ہے کہ میں اپنے سوامی جوتی با کے پیر کو چھوؤں اُن کی میٹھی بولی میرے دِل میں گونجتی ہے۔ میں مہار مانگوں کی خدمت کرتی ہوں، کیونکہ خدمت ہی سچا دھرم ہیں جو مجھے سکون دیتا ہے میرے دِل کو پُر سکون رکھتا ہے۔ جوتی با کے نصیحت کے بول میں من میں رکھتی ہوں۔ اُن میں زندگی کا آئینہ دیکھتی ہوں۔ میں اُن کے خدمت کے جذبے متاثر ہوں کہ اس سے خوشی ملتی ہے۔ نصیحت کے پیرائے جو تجربہ بول رہا ہے جوتی کا میں اُسے دِل میں بسا کر رکھتی ہوں۔

''ہماری آؤ'' اس نظم میں وہ سگونا کے لیے اپنے دِل میں بسی محبت کا اظہار کرتی ہے۔ کہ ہماری آؤ جو بڑی محنتی، پیار کرنے والی اور رحم دِل تھی۔ وہ عقیدت میں مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے کہتی ہے کہ اس قدر اُس کے دِل میں رحم سمایا تھا کہ سمندر بھی اُس کے سامنے چھوٹا لگے۔ آسمان بھی چھوٹا لگے اس قدر وہ ہمدرد فطرت کی مالک ہے۔ ہماری آؤ گھر آئی ہے وہ بیٹھی ہے ایسی لگ رہی ہے جیسے ہو بہو علم کی دیوی ہے، ہم اپنے دِل میں اسے بسا کر رکھتے ہیں۔

''میری جنم بھومی'' اس نظم میں انھوں نے اپنے مادر وطن سے عقیدت کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ کہ میرا میکا نائے گاوں جو کہ ایک پُرانا دیہات ہے۔ پہلے زمانے سے یہاں مراٹھوں نے راج کیا ہے۔نائے گاوں سُکھ ترقی کا دیہات ہے۔ وہاں کے پاٹل نیوسے ہے اِسی خاندان میں، میں نے عورت کا جنم لیا۔ مجھے اپنے مادرِ وطن سے محبت ہے۔ میں اسی کے گیت سدا گاوں، یہاں کئی ذاتوں کے لوگ خوشحالی سے زندگی گذارتے ہیں۔ یہاں اچھی بارِش ہوتی ہے جس سے فصل بھی اچھی ہوتی ہے۔ کنویں ہیں، پھلوں اور پھولوں کی کیاری ہیں۔خوبصورت پرندے چہچہاتے اُڑتے ہیں۔دِل فریب گیت گاتے ہیں۔ میرے گاوں میں خوب صورت قدرتی منظر ہے۔ آخر میں وہ کہتی ہے کہ میرا مادرِ وطن مجھ سے کہتا ہے کہ میں پھول بناوں اور میں وہی پھول اُس پر برساوں یہ میرا دِل کہتا ہے۔

''سنسار کا راستہ'' اس نظم میں وہ جیوتی با کہ ساتھ گزارے اپنے سنسار کا ذکر کرتی ہے کہ جیوتی با میری زندگی میں ایسے ہے جیسے کلی میں شہد، تم سے ہی میں نے زندگی کی سچی خوشی پائی، کس طرح اپنا بوجھ اُٹھا کر سنسار کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ میں نے تم سے یہ سیکھا خاموشی سے اپنا کام کرتے جانا تم سے ہی سیکھا۔

ایک استقبالیہ گیت میں وہ بچّوں کو اسکول میں آنے کی رغبت دلانے کے لئے وہ بچّوں اور اُن کے والدین کا بہت ہی والہانہ انداز میں استقبال کرتی ہے۔ کہ آج کا دِن بہت اچھا ہے کہ بچّے اسکول میں آئے ہم تمھیں خوش ہوکر سلام کرتے ہیں۔ بچّوں کے والدین بھی آئے ہم اُن کا بھی استقبال کرتے ہیں۔ یہاں اچھے اچھے بڑے لوگ آئے ہیں۔ یہاں آکر تم نے ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم ہاتھ جوڑ کر

تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ یہ انداز دیکھ کر تو ایک بار آنے والا ہمیشہ اسکول آنا چاہے گا۔ اسی طرح وہ اسکول میں آنے والے بچّوں اور اُن کے والدین کا استقبال وہ بہت ہی خوبصورت انداز میں کرتی ہے۔

ساوتری بائی نے اپنی نظموں کے ذریعے نصیحت بھی کی ہے۔ نصیحت (بودھ) پر اُن کی ۵ نظمیں ہیں ۔وہی سنت، اصلی دولت (دھن)، بچّے کو نصیحت، منّت، بولونا گڑیا

بچّوں کو نصیحت کرنا انھیں وقت کی اہمیت کا احساس دِلانا اور وہ انھیں مرنے سے پہلے یعنی زندگی میں کچھ کر گزرنے کی تلقین کرتی ہے۔ بچّوں جو کام آپ کو کل کرنا ہے اسے آج کرو۔ اور جو کام آپ کو آج کرنا ہے۔ وہ ابھی کرو۔ اور جو کچھ لمحوں بعد کرنا ہے اسے اسی لمحہ میں کروں کہ کیا پتہ اگلے لمحہ کی مہلت ملے یا نہ ملے کیونکہ موت کب انسان کو وقت کی مہلت دیتی ہے بہت ہی اہم نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ انسان بے فکر ہو کر نہ بیٹھے کیا پتہ اُس کی موت اُس کے پاس ہو اور انسان آج کل کہہ کر اپنا اہم کام کرنے سے رہ جائے۔ وہ بچّوں کو نصیحت بھی کرتی ہے کہ بچّوں صبح سویرے اُٹھو اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر اپنے والدین کو سلام کرو۔ پھر دِل لگا کر پڑھائی کرو اسکول کے بعد گھر جا کر اپنا وقت بے کار کے کاموں میں مت گنواؤ یہ دِن بڑے کام کے اور اہم ہیں اِن کی قدر کرو، پڑھائی کرو، علم کو بڑا مان کر اسے اہمیت دو تا کہ تمھیں اس سے مستقبل میں فائدہ پہنچے۔ علم سب سے بڑی دولت ہے، یہ سب سے افضل ہے۔ جس کسی کے پاس علم کا خزانہ ہوتا ہے۔ وہی سب سے بڑا ہوتا ہے لوگ اسے عالم سمجھتے ہیں۔

''منّت'' اس نظم میں وہ اندھے عقیدوں کی وہ مخالفت کرتی ہیں۔ کہ لوگ تیل میں سیندور ملا کر ٹیکا لگاتے ہیں پتھر کو دیوتا بنایا آخر تو پتھر ہے۔ اس پر عقیدہ رکھ کر منّت مانگتے ہیں کہ بکرا کاٹوں گی منّت پوری کروں گی بچے کی پیدائش پر مگر یہ بات سوچنے کی ہے کہ اگر بچے پتھر دیتے تو انسان شادی کیوں رچاتے۔ اسی لیے ساوِتری کہتی ہے کہ سوچ بچار کرو اور زندگی سنوار لو۔ انھوں نے اپنی نظموں میں قوم کو اندھے اور دقیانوسی عقیدوں پر بھروسہ رکھنے سے روکا ہے کہ منت مانگنا کہ بکرا کاٹوں گی بیٹا دو۔ یا کوئی بات پوری کرو۔ اے لوگوں سوچو سمجھو اور جہالت چھوڑ دو۔ اپنی زندگی کو سنوار لو۔

ساوتری بائی کی نظروں میں سچا سنت وہی ہے جو اپنے قول و فعل میں پورا اترے۔ وہ کہتی ہے کہ جو بولے وہی کرے ایسے مرد و زن ہی پوجنے لائق ہوتے ہیں۔ جو لوگوں سے اپنی خدمت نہ لیں بلکہ خود خدمت خلق کریں جن کے دِلوں میں دوسروں کا سکھ دُکھ پہچانے کا ملکہ ہو۔ جو مطلبی طبیعت کے نہ ہو۔ ایسے لوگ جو انسانیت کا رشتہ جانتے ہو اور اسے نبھانا بھی جانتے ہوں ساوتری ایسے لوگوں کو سلام کرتی ہے اور انھیں ہی سچے سنت مانتی ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے نقلی اور اصلی سنتوں کی پہچان کے لیے انھوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے یہ خیالات حق پر مبنی ہے۔ جو انسان خود حق شناسی سے انجان ہو وہ کیسے سنت بن سکتا ہے۔ وہ کیسے حق کی باتیں کر سکتا ہے۔ جو دوسروں کے درد کو محسوس نہ کریں وہ سب کا درد شناس کیسے بن سکتا ہے۔ ساوتری بائی نے سنت کے لیے جو شرط رکھی ہے وہ پاکھنڈی سنتوں کے پول کھولنے کے لیے کافی ہے۔

''بولنے والی گڑیا'' اس نظم میں ساوتری بائی نے اپنے گڑیا کے ساتھ کی گئی بات چیت میں نصیحت کی ہے کہ میری گُڑیا کتنی سلونی ہے۔ اُس کا نام سونولی ہے۔ میں اسے آہستہ سے لیتی ہوں، اپنی نظروں کے سامنے رکھتی ہوں۔ وہ ہنستی ہے، بولتی ہے۔ مجھ سے کہنے لگی کہ بہن میرے ساتھ کھیلو، مجھے اوپر پھینکو پھر جھیلو۔ اُس کی یہ بات سُن کر میرا دل گھبرا گیا۔ میں نے سوچا میں کیسے پھینکو اُس کو اوپر اس طرح کھیل کر نیچے گر کر وہ مر جائے گی۔ یہ سوچ آتے ہی میں نے اُسے سینے سے لگا کر اُس کا رُخسار چوم کر کہا یہ کھیل خطرناک ہوتا ہے۔ یہ کھیل مت کھیلو۔ بچّوں کے نصیحت کی گئی کہ کھیل کھیل میں خطرناک کھیل سے بڑے بڑے نقصان ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے کھیلتے وقت خیال رکھنا چاہیے۔

تاریخی شخصیات پر بھی ساوتری بائی نے نظمیں کہی ہے۔ جیسے چھترپتی شیواجی، رانی چھترپتی تارابائی، وغیرہ ساوتری بائی نے اپنے قوم کے لوگوں میں ہمت پیدا کرنے کے لیے اُن کے سامنے اپنے قوم کے بہادر لوگوں کا ذکر بھی کیا ہے اور انھیں یاد دلایا ہے کہ اُن کی قوم میں ایسے بہادر لوگ گزرے ہیں جنھوں نے اپنی ہمت اور بہادری سے اپنے اور ملک کے حالات کو بدل کر رکھ دیا۔ وہ اِن تاریخی شخصیتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتیں۔ وہ اِن لوگوں سے عقیدت رکھتے ہوئے لوگوں کو اِن کے بہادری کی یاد دِلا کر انھیں مضبوط کرنا چاہتی ہے۔ جیسے چھترپتی شیواجی، رانی تارابائی وغیرہ اُن کی اِن نظموں میں اُن کی اِن لوگوں سے عقیدت جھلکتی ہے۔

''چھتری پتی شیواجی'' اس نظم میں وہ کہتی کہ انھیں روز صبح یاد کرو۔ دلت انھین اپنا پربھو سمجھ کر سلام کرو۔ یہ ایک بہادر راجا ہے۔ تاریخ میں اِن کا نام ہے

''رانی تارابائی'' سے وہ بہت متاثر ہے۔ان کی مثال دے کر وہ اپنے قوم کی عورتوں میں بہادری جگانا چاہتی ہے وہ کہتی ہے کہ رانی تارابائی دُشمن کو زیر کر کرے،اُس پر طوفانی چڑھائی کر کے اُسے میدان جنگ میں خون سے نہلا دے۔ ایک یہی بہادُر غازی رانی تارابائی ہے جو بہت دلیر ہے۔جس کی چال کٹاو،کوھلاپور کی یہ مہا رانی اور بہت قابلِ تعریف ہے۔ میری تارابائی مردانی ہے۔جو مردو کی طرح لڑتی ہے۔میرا اسلام اُس کے لیے جو کہ دشمن پر موت بن کر چھا جاتی تھی۔وہ ایک طوفان تھی جو میدان جنگ میں دشمن کو خون سے نہلاتی تھی۔جو بجلی کی طرح چمکتی گرجتی دشمن پر ٹوٹ پڑتی ہے۔وہ تارابائی کی بہت بہادری کی تعریف کرتی ہے۔تاکہ عورتوں میں تارا بائی جیسی بہادری جاگ جائے اور وہ اپنے حق کے لیے آواز اُٹھائے۔کیونکہ جس معاشرے میں وہ جی رہی تھی وہاں سب سے زیادہ حق تلفی عورتوں ہی کی ہو رہی تھی۔اسی لئے وہ اس طرح کی نظمیں لکھ کر اُن کے اندر سوئے احساس کو جگا رہی تھی۔

شاعری کے متعلق انھوں نے دو نظمیں کہیں ہیں۔شاعر کی نظر،احمق شاعر اور احمق شاعری وہ ایک شاعرہ ہے اسی لیے ایک شاعر کی حیثیت سے دنیا کو دیکھنے کی نظر بھی موجود ہیں۔جیسے شاعر کی نظر،احمق شاعر اور احمق شاعری اس کے علاوہ آزاد نظمیں بھی موجود ہیں۔''شاعر کی نظر'' اس نظم میں شاعر کی صفات بیان کی گئی ہے۔

شاعر کے پاس ہر وقت نئے موضوع کا ذخیرہ ہوتا ہے۔شاعری اُس کی زبان پر غیب سے وارد ہوتی ہے۔اُس کے پاس گنگا جل جیسی مدھر اشعار کی ندی بہتی ہے شاعر کئی طرح کے مضامین باندھنے کی قدرت رکھتا ہے۔خوشبو دار پھولوں جیسی

اُس کی سوچ ہوتی ہے۔خیالات کے اعلیٰ جوہر دیکھا کر وہ ایک سما باندھتا ہے۔ شاعری اُس کی دوسری دنیا ہوتی ہے جہاں وہ اپنے خیالات اور زندگی کی خوبصورتی کو سچائی کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہاں انھوں نے شاعر اور شاعری کی تعریف کی ہے اور ایک جگہ انھوں نے شاعر کو احمق کہا ہے۔

''احمق شاعر اور احمق شاعری'' اس نظم میں انھوں نے اس نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ شاعروں کو عادت ہوتی ہے کہ وہ تکلیف میں بھی مزا لیتے ہیں۔اُن کی تصوراتی شاعری انھیں مبالغ پر مجبور کرتی ہے اسی لیے شاعر کے دُکھ اور سُکھ بڑے ہوتے ہیں۔دوزخ جیسی تکلیف میں بھی جنت کا مزا لیتا ہے۔کبھی وہ ہنستا ہے اور کبھی وہ روتا ہے کبھی وہ روتے روتے ناچ اُٹھتا ہے۔اور کبھی اپنے پیدا کرنا والے کا ذکر بھی کرتا ہے۔

شاعر ایسا ہی خبطی ہوتا ہے۔کبھی وہ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اپنے خوابوں میں بسی کسی پری سے الفت ومحبت بھری باتیں بھی کرتا ہے۔غیر متوقع خبطی شاعری کرتا ہے تو کبھی شاعر سُر میں گانا گاتا نظروں کے سامنے کھڑی پری شاعر سے میٹھی باتیں کرے پری ذرا سا مسکرا کر شیرینی باتوں میں گھوم ہے۔اسی طرح شاعر کے دل میں طرح طرح کے تصوّر ابھرتے رہتے ہیں۔شاعر ایسا ہی خبطی ہوتا ہے۔

باون کشی سو بودھ رتنا کر

۲) باون کشی سو بودھ رتنا کر: یہ اُن کا دوسرا مجموعہ ہے جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا ۔ کسوٹی پر کھرا اترنے والا سونا باون کشی ہوتا ہے اسی طرح یہ نظمیں بھی ہیں۔ یہ ساوتری بائی کا خیال ہے۔ جس میں ساوتری بائی کی ۵ نظمیں ہیں۔

۱) تمہید (ابودگھادت)

۲) پیشوائی

۳) انگلائی

۴) جیوتی با (سوانحہ)

۵) اختتامیہ (اوپ سمتواد)

اس مجموعہ کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں ساوتری بائی کی تمام نظموں کے قطعات ملا کر ۵۲ ہوتے ہیں۔ جو رتن کی طرح انمول ہے۔ سب سے پہلے تمہیدی نظم ہے۔ شاعری کے فنی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ابتدائی نظم لکھی گئی ہے۔ لکھنے کی وجہ وہی ہے جو اُن کی زندگی کو بدلنے کا سبب بنی۔ یعنی سماج میں ہونے والی ناانصافی کی بدولت سماجی انتشار اور سماجی کی پستی کی حالت جس نے اُن کے سوچ کی سمت کو بدل دیا۔ جو اُن کے کام اور کلام کا سبب بنا۔ اپنے بھگوان سے اپنے کام کی کامیابی کی دعا مانگی گئی ہے۔

دوسری نظم ''پیشوائی'' ہے۔ اس نظم میں ٦ بند ہے۔ اس میں ساوتری بائی نے اپنا یہ خیال پیش کیا ہے کہ پیشواؤں کے راج میں شدر خوف میں رہتے تھے۔ ان

کی حکومت میں اُن کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی۔ اور وہ کچھ نہ کر سکے مگر اب انگریز آگئے ہیں۔ جو دلت لوگوں کے ساتھ انصاف کرے گے اُن کے ساتھ اگر سب لڑتے بھی ہے تو پیشوائی کو ہار ہوگی اور انگریز ہی جیت جائیں گے۔ یہاں ساوتری بائی نے اپنی قوم کے کچلے جانے پر اپنے دِلی جذبات کا ذکر کیا ہے۔ وہ انگریزوں سے پہلے کی کسی بھی حکومت کے حق میں نہیں تھی۔ وہ ہر اُس راج کے خلاف تھی جو شُدروں کے حالات بدلنے پر قادر نہ تھے۔ اُن کے خیال میں انگریزوں کے آنے سے اُن کے حالات میں تبدیلی آنی شروع ہوئی۔ اسی لئے وہ انگریزوں کی حامی تھی اور پیشواؤں کے خلاف تھی کہ انھوں نے شُدروں کی حالت بدلنے کی کوئی کوشش نہ کی، بلکہ اُن کے حالات کو اور زیادہ خراب کر دیا۔ اپنی نظم کے ابتدائی بند میں ہی وہ پیشواؤں سے نالانظر آتی ہے۔

''انگلائی'' ایک طرح سے توصیفی نظم ہے جو انگریزوں کی تعریف میں لکھی گئی ہے۔ جس طرح انھوں نے یہاں آکر انگریزی تعلیم کے ذریعے سماج کی بھلائی کے کام کئے تعلیم کو سب کے لیے عام کیا۔ اسی لیے وہ انگریزوں کی طرف دار ہے اور اُن کے طریقہ تعلیم کو بہتر مانتی ہے۔ انھیں انگریزوں میں اور اُن کی تعلیم میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی، انگریز دلتوں کے لیے کسی غیبی طاقت سے کم نہیں جن کی وجہ سے اُن کے حالات میں تبدیلی واقع ہوئی۔

اس مجموعہ کی خاص نظم ''جیوتی با''، جس میں ساوتری بائی نے اپنے شوہر کے بچپن سے لیکر موت تک تمام زندگی کے حالات درج کئے ہیں۔ ایک طرح سے یہ جیوتی با کی نظمیہ انداز میں لکھی گئی سوانحہ ہے۔ ساوتری بائی نے جیسے اپنے شوہر کے

کردار کی لفظی تصویر بنائی ہے۔ جیوتی با کے کردار کی صحیح عکاسی کی ہے۔ بچپن میں صرف نو مہینے کے تھے تب ماں کی وفات ہوئی۔ کس طرح وہ بڑے ہوئے۔ انھوں نے کس طرح تعلیم حاصل کی۔ سماج کی ترقی اور خاص کر دلتوں کے حالات تبدیل کرنے کے لیے انھیں سماج میں ایک مقام دلانے کے لیے وہ کن پریشانیوں سے گزرے، انھیں کن کن مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کون کون سی قربانی دینا پڑی۔ ہندوستان کی قدیم پیشواؤں کی تاریخ اُن کے ظلم اور زمانے کے اتار چڑھاؤ تمام حالات درج ہیں۔ اس مجموعہ کے آخری میں ساوتری بائی کے ہاتھ کے دستخت موجود ہے۔ جو موڑی زبان میں ہے۔

آخری میں اختتامیہ (اوپ سمتواد) کی نظم ہے۔ اس میں ساوتری بائی نے اپنی نظموں کی سچائی وحقیقت کے بارے میں قاری سے ہی سوال کیا ہے کہ دِل میں یہ خواہش تھی کہ اچھی اور سچی بات کو لکھوں تو یہ نظمیں تخلیق ہوئیں۔ تم بھی اس میں موجودہ سچ کو گاؤ (محسوس کرو) اس میں موجودہ تھوڑی سی بھی حقیقت کو تم نے سمجھا تو اس محنت کی اصل قیمت ادا ہو جائے گی۔ میری نظمیں کتنی سچ ہے یہ تم کہو اور یہی پر باون کشی رتنا کر ختم ہوتی ہے۔ یہ اعلان وہ آخری مصرعے میں کرتی ہے۔

ساوتری بائی کے لکھے خطوط

ساوتری بائی نے اپنے شوہر جیوتی با کو لکھے تین خط ہے۔ پہلا خط ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۶ء میں، دوسرا خط ۲۹ اگست ۱۸۶۸ء میں اور تیسرا خط ۲۰ اپریل ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا تھا۔ یہ تینوں خط موڑی زبان میں تھے۔م۔گ۔ مالی نے لکھی کتاب ''کرانتی جیوتی ساوتری بائی پھلے'' میں یہ خط شائع کیے ہیں۔ اِن خط کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے جس کو پڑھ کر ہم اُن کے حالات کچھ حد تک سمجھ سکتے ہیں۔ پہلا خط انھوں نے اُس وقت لکھا جب وہ بیمار ہونے کی وجہ سے آرام کے لیے اپنے میکہ گئی ہوئی تھی۔ خط میں جیوتی با سے مخاطب ہے وہ کہتی ہے کہ

> ''میری طبیعت کئی بار اُلٹ پُلٹ کر اب ٹھیک ہوئی ہے۔ اس بیماری میں بھائی نے میری خوب تیمار داری کی۔ اس بات سے وہ کس قدر محبت کرنے والا ہے اس بات کا پتہ چلا۔ میں مکمل ٹھیک ہوتے ہی پونے کو آؤں گی۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں فاطمہ کو تکلیف ہو رہی ہوگی، مگر وہ بے زاری نہیں ہوگی۔ یہاں باتیں چلتی رہتی ہے انہی باتوں کے دوران بھائی نے کہا کہ ''تم اور تمہارا شوہر محلے میں رہتے ہوئے مہار مانگ کہ جو کام کیوں کر رہے ہو، وہ کام اچھے بھی ہوئے تو اپنے خاندان کو بٹہ لگانے والے ہیں۔ تم میاں بیوی بھٹ کے کہنے کے مطابق ہی کام کرو۔''
> بھائی کی یہ باتیں سُن کر ماں جھٹ سے اتر آئی۔ بھائی ایسے تو

محبت والا ہے مگر کم عقل ہے جو تمہیں اور مجھے الزام دیتے
ہوئے مخالفت کیئے جا رہا تھا۔ ماں کو فکر ہوئی۔ وہ اُس پر غصہ
نہ کرتے ہوئے کہنے لگی کہ تجھے ایسی اچھی بہن ملی ہے۔ وہ تمہاری
فکر میں بول رہا ہے پر میں نے ماں کے ارادے کو درمیان میں
چپ کراتے ہوئے کہا کہ تمہاری عقل کام نہیں کر رہی ہے، بھٹ
لوگوں کی تعلیم سے ناکارہ ہوگئی ہے۔ تم گائے کو چارا ڈالتے ہو،
ناگ پنچمی کے روز زہریلے سانپ کو دودھ پلاتے ہو۔ مہار مانگ
یہ انسان ہے۔ انھیں اچھوت سمجھتے ہو اس کی وجہ بتاؤ؟ ایسا اُس
سے سوال کیا۔ بھٹ لوگ تمہیں بھی مہار ہی سمجھتے ہیں۔ میری باتیں
سُن کر وہ شرمندہ ہوا۔ مہار مانگ کو تم کیوں سکھا رہے ہو؟ اسی بات
پر لوگ تمہیں تکلیف دے رہے ہیں، تمہیں بُرے الفاظ سے پکارتے
ہیں۔ میں یہ سُن نہیں سکتا۔ میں نے اسے بتایا کہ انگریز لوگ اِن
مہار مانگ کے لیے کیا کیا کر رہے ہیں۔ یہ انسانیت کی پہچان ہے۔
بھٹ لوگوں تعلیم یافتہ تھے مگر اُن کی تعلیم یہ کہ جو ان کی مرضی پر چلے
گا وہی کامیاب ہوگا۔ میرا شوہر دیو جیسا ہے، اس دیش میں اس کے
جیسا کوئی نہیں، مہار مانگ نے تعلیم حاصل کرنا اور انسان بن کر رہنا
یہ اُن کا مقصد ہے جس کے لیے بھٹ لوگوں کے حامیوں سے جھگڑ
رہے جیوتی با مہار مانگ کو تعلیم دے رہے ہیں اور میں بھی انھیں تعلیم
سے آراستہ کروں گی، اس میں بُرا کیا ہے؟ ہم بغیر ڈرے لڑکیوں کو تعلیم

دے رہے ہیں، عورتوں کو تعلیم سے رہے ہیں۔ مہار مانگ کو تعلیم دے رہے ہیں۔ یہی بات برہمنوں کو پریشان کر رہی ہے۔

اس سمجھداری کے کام میں وہ ہمارے انسانی دھرم کی مخالفت کرتے ہیں اور تمہارے جیسے دِلوں میں نفاق رکھتے ہیں۔

تمھیں پتہ چلا ہوگا کہ میرے شوہر کی تعظیم کے لیے انگریز سرکار نے ایک پروگرام رکھا تھا، وہاں اُن کے کاموں کی تعریف کی گئی اور انھیں عزت وتوقیر عطا کر کے اِن مخالفت کرنے والوں کے سروں کو شرم سے جھکا دیا۔ میں تم کو ثبوت کے ساتھ بولتی ہوں کہ میرا شوہر تمہارے جیسی سوچ رکھنے والوں کو دور سے سلام کر کے اپنے اچھے کاموں میں مصروف رہتے ہیں اور میں بھی اُن کی مدد کرتی ہوں۔ ماں اور بھائی خاموشی سے میری بات سُن رہے تھے۔ بھائی شرمندہ ہوا۔ ماں نے کہا ''ساوتری تیرے اندر سرسوتی آ گئی ہے۔ تیری علمی باتیں سُن کر میں متاثر ہوئی۔ اور وہ دونوں کو اپنا حامی بنتے دیکھ کر میرا دِل بھر آیا۔ یہ سُن کر آپ بھی سمجھ گئے ہوگے کہ 'ہمارے بارے میں' پونے میں بھی مخالفت کرنے والے ویدھوشک بہت ہیں۔ ویسے ہی یہاں بھی ہیں۔ اُن سے ڈر کے ہم اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے کام کو کیوں چھوڑے؟ ہمیشہ کام میں مصروف رہیں۔ مستقبل میں جیت ہماری ہی ہوگی۔ بس اور کیا لکھوں۔''

اس خط کا مضمون اُن کے اندر کی تڑپ اور لگن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اپنے

ذاتی خط میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنے خوشی وغم کی باتیں کرنے کی بجائے قوم کی فکر میں ہی مبتلا نظر آتی ہے۔ دوسرا خط ساوتری بائی نے نائے گاؤں سے لکھا ہے جس میں وہ وہاں پر ہوئے ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہے کہ کس طرح ایک گنیش نامی برہمن جو گاؤں گاؤں گھوم گھوم کر دھرم کی باتیں بتاتا ہے۔ اُس نے گاؤں میں کیا گُل کھلائے۔ ایک لڑکی کی زندگی تباہ کردی۔ لوگ لڑکی کو ہی مار پیٹ رہے تھے مجھے پتہ چلا تو میں نے جا کر انگریز سرکار کا خوف دِلا کر لڑکی کو بچایا۔ ساوتری بائی کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ دھرم کے ٹھیکیداروں نے اُس سماج نے جو مردوں کا بنایا ہوا تھا۔ وہ سماج مردوں کے قصور اور گناہ بھی عورتوں کے کھاتے میں ڈال کر خود بری الزماں ہو جاتے تھے۔ اسی سماج کی اصلاح کا بیڑا انھوں نے اُٹھایا تھا۔

تیسرے خط میں ساوتری بائی نے قحط کا ذکر کیا ہے۔ اس دوران لوگوں کے کس قدر حال ہوئے۔ وہ بھوکے پیاسے موت کو پکارنے پر مجبور ہوئے۔ یہ خط جنیر اوتور سے ۲۰ اپریل ۱۸۷۷ء میں لکھا گیا تھا۔ ساوتری بائی کہتی ہے کہ

''خط لکھنے کی وجہ کہ ۱۸۷۶ء کے بعد قحط کی مار پڑی۔ اس میں سب انسان اور جانور پریشان بھوک پیاس بے حال گر رہے ہیں۔ انسانوں کے لیے اناج نہیں، جانوروں کو چارا نہیں، اس حالت سے پریشان کتنے لوگ گاؤں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ کتنے لوگ اپنے پیٹ کی اولاد اور جوان لڑکیوں کو بیچ کر جا رہے ہیں۔ ندی نالے سُکھے پڑے ہیں درخت سوکھ کے گر رہے ہیں۔ زمین میں دراڑیں پڑ رہی ہیں۔ کئی لوگ پیاس سے بے حال ہیں تو کئی لوگ بھوک

پیاس برداشت نہ کر کے موت کی آغوش میں سو گئے۔ کتنے لوگ
بھوک برداشت نہ کر اناج کے نام پر اور پانی کے نام پر پیشاب
پی کر پیاس بجھا رہے ہیں۔ بھوک پیاس سے بے حال موت میں
سکون پا رہے ہیں۔ یہاں ایسی بھیانک صورت حال ہوگئی ہے۔

ستیہ شودھک منڈلی نے یہاں کے لوگوں کے لئے غذا،
اناج دینا اور لوگوں کو دِلاسا دینے کے لیے کئی کمیٹیاں بنائی ہیں۔
کونڈا جی بھاؤ اور اوما بائی مجھے جان سے زیادہ سنبھال رہے ہیں۔
اوتور کے شاستری، گنپتی سخارام اور ڈومرے پاٹل وغیرہ ہمارے
سماج کے ستیہ شودھک آپ سے ملنے کے لئے آ رہے ہیں۔ اگر آپ
ستارا سے اوتور آ کر پھر نگر جاؤ تو اچھا ہوگا۔ را۔ ب۔ کرشنا جی اور
لکشمن شاستری یہ ہمارے سے متاثر ہیں انھوں نے میرے ساتھ
آ کر قحط سے متاثر لوگوں کی خوب مدد کی۔ دوسری پریشانی کی بات
یہ کہ امیروں کو مار کر انھیں لوٹا جا رہا ہیں۔ ایسے غلط کام ہو رہے ہیں۔
یہاں ایسی لوٹ مار مچی ہوئی ہے۔ بڑی بڑی ڈکیتیوں کی وارداتیں
ہو رہی ہیں۔ یہاں کا کلیکٹر انصاف پسند ہے۔ اُس نے فوج پر سختی کی
کہ لوٹ مار کیوں مچی ہے؟ اُن کو چھوڑ دو۔ کلیکٹر نے جب قحط سے
بے حال لوگوں کو دیکھا تو فوراً جواری کی چار گاڑیاں بھجوائی۔ آپ
جو فلاحی کام کر رہے ہیں۔ ایسے فلاحی کام میرے ہاتھوں سے بھی
ہو۔ یہی میری خواہش ہے۔ بس اور کیا کہوں"

اس خط سے پتہ چلتا ہے کہ قحط کی وجہ سے کس قدر حالات خراب تھے۔ بھیانک قحط کی وجہ سے انسانی زندگی کس حال میں گزر رہی تھی کہ انسان جانور بن گیا تھا۔ ساوتری جا بھی رہی وہ اپنے حالات اور قوم کے حالات سے اپنے شوہر کو باخبر رکھنا چاہتی تھی۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر وقت اپنے لوگوں کی فکر میں مبتلا رہنے کی وجہ سے خط و کتابت میں بھی اپنی زندگی سے جڑی ذاتی باتیں ایک دوسرے سے کہنے کی بجائے وہ قوم کے درد میں ہی مبتلا نظر آتی ہے۔

ساوتری بائی کے بھاشن (تقاریر)

ساوتری بائی کے بھاشن (تقریر) یہ ایک چھوٹا سا کتابچہ ہے جو ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔

ساوتری بائی جس طرح سے تعلیم کے علاوہ سماج کے فلاحی کاموں میں مصروف تھی۔ اسی کے پیش نظر انھیں پروگراموں میں لوگوں سے اور خاص کر عورتوں سے مخاطب ہونے کے کئی موقع میسّر ہوئے۔ کئی جگوں پر انھوں نے تقریریں کیں۔ اِن تقریروں میں اُن کے روشن خیالات واضح ہوتے ہیں۔ ایسے تو اُن کی کئی تقریریں ہوگی مگر چند تقریروں کا ایک کتابچہ ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔ جس کی وجہ سے ہم آج بھی اُن کی اُس قوت کی تڑپ اور لگن کا جان سکتے ہیں۔ اُن کے بھاشن (تقاریر) میں پانچ اہم موضوع موجود ہیں۔ ۱) تجارت ۲) علم کی دولت ۳) نیک خیالات ۴) لگن ۵) قرض اِن موضوع کے تحت انھوں نے اپنے خیالوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ عوام کی بھلائی کے مقصد کو سامنے رکھ کر انھیں نصیحت کی ہے۔

۱) تجارت

اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے ساوتری بائی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اگر انسان کو زندگی میں ترقی کرنا ہے تو اُس کا بہترین ذریعہ تجارت ہے۔ روپیہ پیسہ انسان کے ضرورت کی چیز ہے جس کے بغیر خوش حالی تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انسان کے پاس روپیے ہو تو وہ دوسروں کی مدد بھی کر سکتا ہے۔ بجائے خود کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے ہم خود کسی کی مدد کرنے والے بن جائے۔ ترقی کرنے کا ایک ذریعہ تجارت بھی ہے۔ جس سے انسان جلد ہی اپنی معاشی حالت کو سدھار لیتا

ہے۔اپنی اس تقریر میں انھوں نے اسی اہم نکتہ کو واضح کیا ہے۔

۲)علم کی دولت

انسان کی زندگی میں دولت کی اہمیت سے انکار نہیں مگر علم ایک ایسی دولت ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بھی دولت کرنے سے قاصر ہے۔اگر کوئی انسان کروڑ پتی ہو مگر وہ جاہل ہو تو اُس کی دولت اُسے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔جس کے پاس علم ہو وہ ہمیشہ مطمین ہوتا ہے وہ دسروں کے دکھ سکھ کو سمجھ سکتا ہے۔علم انسان کو عزت عطا کرتا ہے یہ وہ دولت ہے جس کے لوٹنے کا ڈر نہیں ہوتا۔جس کے پاس علم ہوتا ہے اُس کے پاس انسانیت آجاتی ہے۔علم انسان میں صبر،قناعت اور استقامت پیدا کرتا ہے۔اسی لئے علم کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ساوتری بائی کی اکثر نظمیں علم کی فضیلت پر رہی ہے۔اُن کے بھاشن میں بھی علم حاصل کرنے پر زور دیا گیا۔

۳)نیک خیالات اور اچھے اخلاق

ساوتری بائی نے اس بات پر بھی زور دیا کہ انسان کے خیالات،اُس کی سوچ اور اُس کے دِل میں نیک خیالات پروان چڑھے جس کی وجہ سے اُن میں اچھی عادتیں پیدا ہوگی۔اچھی عادتیں ہونے کی وجہ سے اُسے سماج میں اچھی نظروں سے دیکھا جائے گا۔جب انسان خود اچھا ہو تو وہ دوسروں کے بارے میں بھی اچھا ہی سوچتا ہے۔اُس کے دکھ ختم ہو جاتے ہیں۔اُس میں لالچ،حسد اور خود غرض جیسی کئی بُرائیاں دور ہو جاتی ہے۔نیک خیالات سے جو اچھے اخلاق انسان میں پیدا ہوتے ہیں اُس کی وجہ سے اُس کے دشمن کم اور دوست زیادہ ہوتے ہیں۔ہر کوئی اُس سے تعلقات رکھنا پسند کرتا ہے۔اسی طرح وہ انسان کو اچھے اخلاق کی تعلیم اپنے تقریریوں کے ذریعے

دیتی ہے۔

۴) شوق و لگن

ساوتری بائی نے اپنی تقریر میں اس اہم نکتہ کی وضاحت بھی کی ہے کہ کسی بھی کام کو پائے تکمیل تک پہنچانے کے لیے انسان کے اندر اُس کام کا شوق پیدا ہو جانا چاہیے۔ پھر وہ لگن سے اپنا کام کرتا ہے تو اُس کام کی کامیابی کے فی صد نتائج سامنے آتے ہیں۔ ساوتری بائی نے جس لگن سے اپنا کام کیا اُسے انجام تک پہنچا کر دم لیا۔ کسی بھی کام کو شروع کر کے پھر شوق نہ ہونے کی وجہ سے درمیان میں چھوڑ دینا یا ادھورا کرنا اِس سے انسان کی ساری محنت پر پانی پھر جاتا ہے۔ اسی لیے وہ شوق اور لگن کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ انسان کی زندگی میں جو بے ربطی پائی جاتی ہے وہ شوق کا فقدان ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔ لگن انسان کی زندگی میں ترقی کو بڑھاتی ہے۔ اُس کی زندگی کو سنوارتی ہے۔

ساوتری بائی ایسے شوق نہ اپنانے کا ذکر کرتی ہے جس سے آدمی کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ شوق اگر بُری چیزوں کے ہوگے تو انسان کی بربادی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ شراب، شباب اور جوا جیسے شوق پالنے والے لوگوں کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ اُن کے گھر برباد ہو جاتے ہیں۔ بیوی بچّے رول جاتے ہیں۔ اُن کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا اور نہ کوئی انھیں اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی لئے زندگی میں اچھے شوق اپنانے چاہیے اور بُرے شوق سے دور رہنا چاہیے۔

۵) قرض

ساوتری بائی نے قرض کے بارے میں بھی اپنی تقریروں میں اپنے خیالات

کا اظہار کیا ہے۔ اُس زمانے میں خاص کر دیہاتوں میں کسانوں اور مزدوروں کی ساری زندگی قرض کے بوجھ تلے گزرتی تھی۔ اسی لیے ساوتری بائی نے یہ اہم بات بتائی ہے کہ انسان زندگی میں قرض سے محفوظ رہے۔ ہر انسان اپنی ضرورتوں کو محدود کرلیں اور جہاں تک ہوسکے وہ قرض سے بچے۔

قرض ایک لعنت ہے۔ قرض دار انسان ہمیشہ پریشان نظر آتا ہے۔ قرض اُسے سماج میں عزت سے جینے نہیں دیتا، ہر وقت ایک دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب کوئی آکر سر پر کھڑے ہوکر اپنا قرض مانگے۔ کبھی کبھی انسان کا سب کچھ داؤ پر لگ جاتا ہے قرضدار کبھی بھی خوشحال زندگی نہیں گزرتا۔ اُس کے اندر ہمت، استقامت اور خوداری کی کمی پائی جاتی ہے اور وہ بزدل، کام چور، سست اور بے شرم بن جاتا ہے۔

ساوتری بائی نے اپنی تقریروں میں جن اہم موضوعات کو اُجاگر کر کے اُس کے فائدے اور نقصانات کے عوام کے سامنے اور خاص کر دلت عوام کے سامنے ظاہر کیا ہے۔

ساوتری بائی کے شاعرانہ کلام پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مراٹھی ادب کی اس شاعرہ نے گل و بلبل کی شاعری کرنے کی بجائے جو کہ اکثر شاعر عشق و محبت کے راگ لاپنے کے سوا اپنے کلام کچھ نہیں پیش کرتے تھے۔ اُس زمانے میں شاعری سے اصلاح اور معاشرے کی بھلائی کا کام لینا اور خاص کر ایک ایسی قوم جو نظر انداز ہو رہی تھی جو سب کے قدموں تلے بے دردی سے کچلی جارہی تھی۔ اُس قوم کی بھلائی اور اصلاح کے لیے جیسے وہ ساری دنیا سے ٹکر لینے کی طاقت رکھتی تھی۔ جس وقت ایک طرف سیاسی طور پر انگریزوں کے بھگانے

کے لیے راجا مہاراجا اور بادشاہ وقت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔اُس وقت انگریزوں کی حمایت صرف اس لیے کرنا کے انھوں نے ہندوستان کی کم تر سمجھی جانے والی قوم کو کم تر نہ سمجھ کر سب کی طرح جینے حق تسلیم کیا۔اُن کے تعلیم کے حق کو تسلیم کیا اور یہی بات ساوتری بائی کے سوچ کے دھارے کو موڑنے کا سبب بنی اور انھوں نے اپنی قوم کی بھلائی کا نہ صرف سوچا یا اپنے کلام میں لکھا۔ بلکہ اپنے الفاظ اور اپنی سوچ کو عملی پیرہن عطا کیا۔اور اُسے لفظوں میں ڈھال کر آنے والی نسلوں کے لیے ایک مثال قائم کی۔یہ نظمیں اُن کے شاعرانہ ذوق اور بہادری کا کھلا ثبوت ہے۔

ایسے نازک مسائل پر قلم اُٹھانا جس سے ساری دنیا کے دشمن ہونے کا امکان ہو یہ کوئی شیر دِل ہی کر سکتا تھا۔اور یہ کام کسی شیر دِل مرد نے نہیں بلکہ ایک نازک عورت نے کیا ساوتری بائی پھلے مراٹھی ادب کی پہلی واحد خاتون ہے۔جنھوں نے اس موضوع پر قلم بھی اُٹھایا اور اُس پر عمل بھی کیا۔ایسا کرتے وقت انھیں جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا ہم وہ سب حقیقی طور نہیں جان سکتے۔ساوتری بائی کا یہ ادبی ذخیرہ آنے والے مراٹھی ادب کے شعراؤں کے لیے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ودیگر زبانوں کے شعراؤں کے لیے بھی ایک مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔جس سے وہ مستفیض ہو سکتے ہیں۔اور شاعری کی حقیقت کیا ہے یہ جان سکتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق سے

چند یادگار لمحے

تصویریں

ساوتری بائی پھلے

جیوتی با اور ساوتری بائی

جیوتی با اور یشونت

سگونا بائی شیر ساگر

بھارت سرکار نے ساوتری بائی کے نام سے ڈاک ٹکٹ جاری کیا

پونے یونیورسیٹی کو ’’ساوتری بائی پھُلے پونے یونیورسیٹی‘‘ نام دیا گیا۔

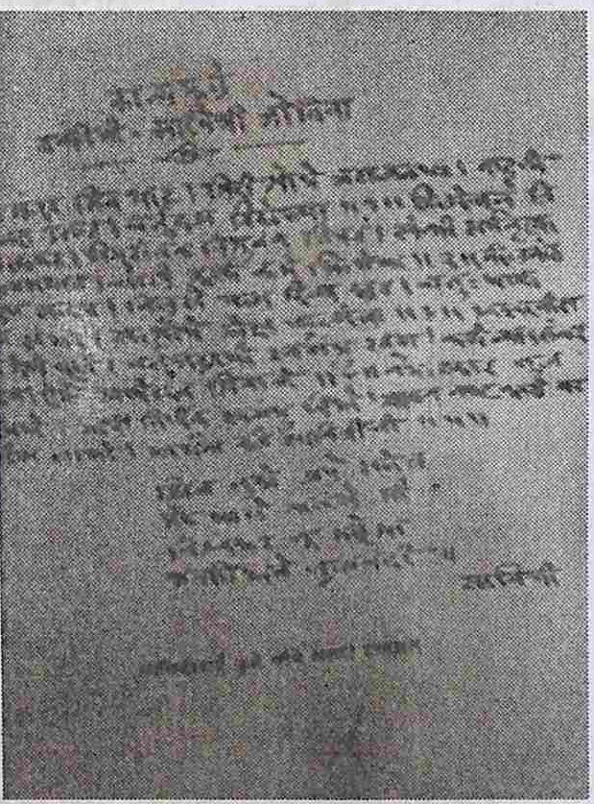

کاوئے پھلے کی ایک نظم کے نیچے ساوتری بائی کے مراٹھی دستخط

بھیڑے واڑا میں لڑکیوں کے لیے پہلی اسکول

مہاتما پھلے نے عورتوں اور بچّوں کے لیے کھولا گیا پہلا آشرم

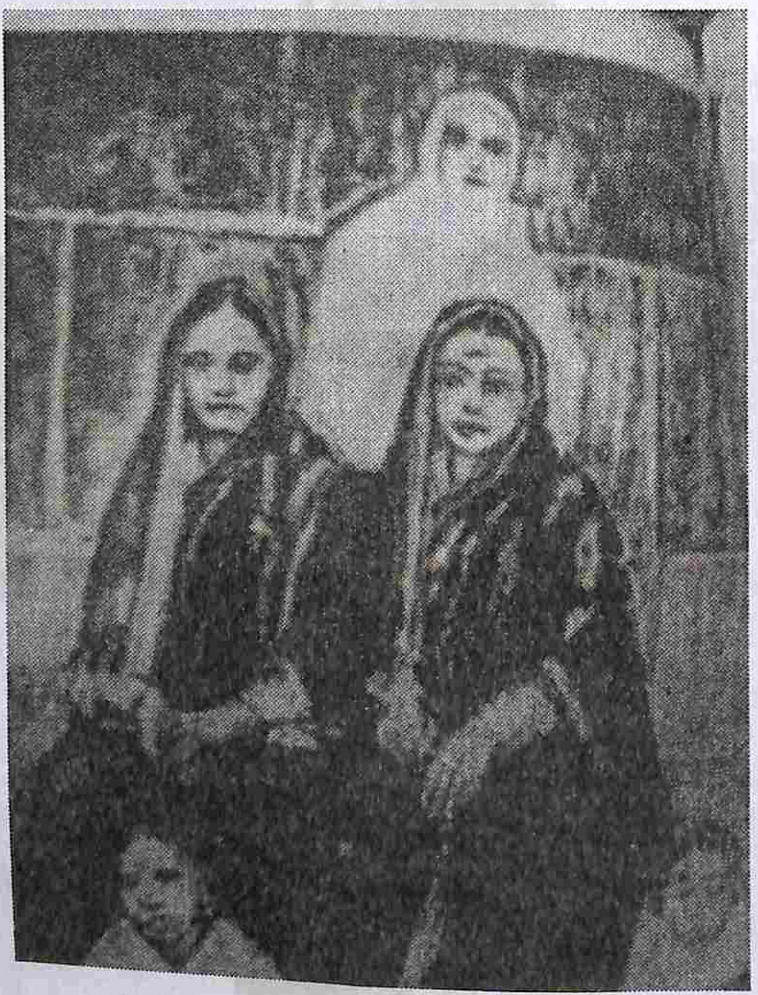

ساوتری بائی اور فاطمہ بی

پھلے واڑا

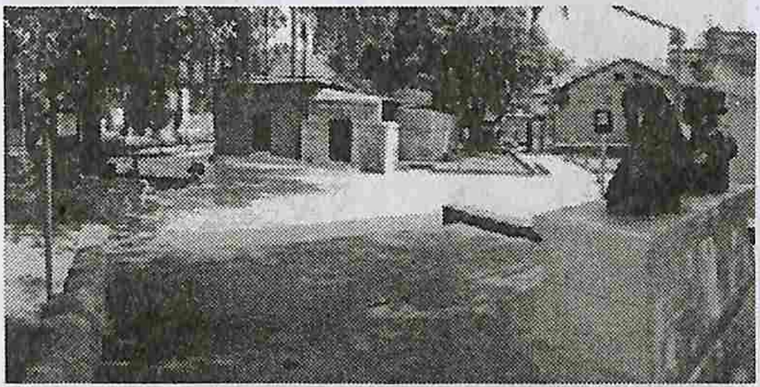

پھلے واڑا باہر سے

پھلے واڑے میں موجودہ کنواں

ہندوستان کی اوّلین مسلم تربیت یافتہ معلّمہ فاطمہ بی

باب پنجم ساوتری بائی پھُلے کی زندگی کے آخری ایّام

☆ جیوتی با کی وفات

☆ ساوتری بائی پھُلے اپنے آخری سفر پر روانہ

☆ ساوتری بائی پھُلے کی زندگی پر ایک نظر

☆ مہاراشٹر کی سماجی اور تعلیمی زندگی پر پھُلے خاندان کے اثرات

ساوتری بائی پھُلے کی زندگی کے آخری ایّام

مہاراشٹر میں ساوتری بائی پھُلے اور جیوتی باپھُلے کی وجہ سے جیسے اسکولوں کا جال سا بن گیا تھا۔ ستیہ شودھک سماج کی وجہ سے سماج سدھار کی کوشش جاری تھی۔ جیسا جیسا اِن کی سوچ اور خیالات عوام کو اور مہاراشٹر سے باہر ہندوستان بھر میں پہنچ رہے تھے۔ ویسے ویسے ہر طرف سے اِن کے لیے مبارک بادی کے پروانے موصول ہو رہے تھے۔ سماج کی دیگر تنظمیں بھی سماجی فلاح کے کاموں میں اِن کے ساتھ شامل ہو رہی تھی۔ وقت نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنی سوچ اور خیالات میں کس قدر صحیح تھے۔

عمر کے ساتھ ساتھ پہلے جیسی چستی وپھرتی تو نہ تھی مگر جوش برقرار تھا جو لگن کے ساتھ آگے بڑھنے میں مددگار تھا۔ پہلے کی بہ نسبت کام بھی بڑھ گیا تھا۔ بڑھتے کام کے ساتھ کئی مددگار بھی ساتھ میں شامل ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے کام میں آسانی ہو گئی تھی۔ اب دِن رات دونوں کو یہ فکر کھائے جاتی کہ اُن کے بعد بھی کوئی اُن کے کاموں کو ایسے ہی مخلص ہو کر آگے بڑھائے۔ دلت عوام نے اُن کی طرف جو امیدیں

باندھی ہیں وہ کبھی نہ ٹوٹے، اسی سوچ کے پیش نظر جیوتی با زیادہ نے زیادہ ستیہ شودھک کی شاخیں کھول رہے تھے۔ تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس فلاحی کام میں شامل ہو کر اُن کے کاموں کو ملک بھر میں پہنچا دے۔ کئی سماجی اصلاح کے خواہش منداُن کے ساتھ شامل ہو کر مالی مدد بھی کرر ہے تھے۔ اسی طرح اُن کا کام آگے بڑھتا گیا۔

جیوتی با کی وفات

وقت کے ساتھ ساتھ کام بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ سارے مہاراشٹر میں پھُلے خاندان کے کاموں کا چرچا تھا۔ پہلے جو لوگ مخالفت کرتے تھے وہ بھی اب دِل میں اُن کی ہمت کی داد دیتے تھے۔ دِن رات کی محنت نے جیوتی با کو تھکا دیا تھا۔ اب اُن سے پہلے جیسی محنت نہیں ہوتی تھی۔ مگر ساوتری بائی اُن کے شانہ بہ شانہ ہر کام میں اُن کی مددگار تھی۔

ایک دِن جیوتی با نے اپنے قریبی دوستوں کو یاد کیا۔ جن میں شری منت سائے جی، بھالیکر نارائن راؤ میگا جی لوکھنڈے، ڈاکٹر رام جی سنتو جی، ڈاکٹر وشرام، سوامی رمیا وینکٹاپا وغیرہ سے ملاقات کی اور ستیہ شودھک سماج کے کاموں کو اُن کے بعد بھی آگے بڑھائے۔ تاکہ سماج کی بھلائی کا کام چلتا رہے۔ پھر انھوں نے یشونت سے کہا کہ وہ ساوتری بائی کا خیال رکھے۔ چند گھنٹوں بعد اُن کی موت ہوگئی۔ انھیں چھوڑ کر موت کی آغوش میں لیٹ گئے۔ جیوتی با کے خاندان والوں نے وہاں آکر انتشار پیدا کیا۔ جیوتی با کے سماجی کاموں کی وجہ سے اُن کے خاندان کے کئی افراد اُن کے خلاف ہوگئے تھے۔ یشونت کو گود لینے کی پاداش میں یہ دشمنی اور بڑھ گئی تھی۔ وہ جیوتی با کے کاموں کو دھرم کے خلاف سمجھتے تھے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ جیوتی راؤ کی وجہ سے اُن کا دھرم بھی بھشٹ ہوگیا ہے۔ اسی لئے وہ اُن کی زندگی میں ہی اُن کے مخالف ہوگئے تھے۔ جیسے ہی اُن کے موت کی خبر چاروں طرف پھیل گئی تب اُن کے رشتہ دار وہاں پہنچ گئے اور یہ کہا کہ وہ اُن کے خاندان کے ہے اسی لئے اُنکی آخری رسومات وہ

لوگ کریں گے۔ جیوتی با کے لے پالک بیٹے یشونت کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ یعنی اُن کی نظروں میں یہ بات دھرم کے خلاف ہے۔ جیوتی با کو پہلے سے ہی اس بات کا اندیشہ تھا اسی لیے انھوں نے پہلے سے ہی کہا تھا کہ اُن کی آخری رسومات میں برہمنوں اور اُن کے خاندان کے لوگوں کا عمل دخل نہ ہو۔ جیوتی با کے دوستوں نے حفاظت کے لیے پولیس بُلائی اور ساوتری بائی اور یشونت کے ساتھ مل کر آخری رسوم ادا کی۔

ساوتری بائی پر جیسے غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جیوتی با اُن کے شوہر، دوست، استاد اور ہر کام میں مددگار سب کچھ تھے انھیں جو بھی علم ملا۔ وہ جیوتی با کی وجہ سے ہی ملا۔ اس بات کا اظہار وہ اپنی نظموں میں بھی کرتیں ہیں۔ جیوتی با کی وفات ۲۸ نومبر ۱۸۹۰ء کو ہوئی تھی۔ اُس کے بعد وہ اپنے غم میں کھو کر گھر بیٹھی نہ رہیں۔ انھیں پتہ تھا جو کام جیوتی با چھوڑ گئے ہیں۔ اسے پورا کرنے کی ذمہ داری اب اُن کی ہیں۔ انھیں اس کام کو اور آگے بڑھانا ہیں۔ جیوتی با کو اُن کر بھروسہ تھا اسی لئے وہ ہر کام میں انھیں شامل رکھتے تھے۔

۱۸۹۶ء میں وہ ستیہ شودھک سماج کی چیر پرسن کی حیثیت سے ساسوڑ کی میٹینگ میں شامل تھی۔ مہاراشٹر گورمینٹ کے ساتھ مل کر انھوں نے سماج کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور اپنے شوہر کے کاموں کو مزید آگے بڑھایا۔

ساوتری بائی پھلے اپنے آخری سفر پر روانہ

۱۸۹۷ء میں پونے میں پلیگ کی بیماری عام ہوئی ہر طرف نفسانفسی کا عالم تھا لوگ جانوروں کی طرح مر رہے تھے۔ایسے نازک وقت میں ساوتری بائی کی سماجی تنظیم عوام کی مدد کر رہی تھی۔وقت پر انہیں دوا پہنچانا، صفائی کا انتظام دیکھنا، وقت پر ڈاکٹروں کا انتظام کرنا۔وہ ہر وقت سماجی فلاحی کاموں میں مشغول رہتیں۔اور لوگوں کی مدد کر رہیں تھیں۔

۱۹۹۸ء میں ہندوستانی گورمینٹ نے اُن کی خدمتوں کا اقرار کرتے ہوئے اُن کا پوسٹ اسٹیمپ جاری کیا۔اُن کی ان خدمات کو دیکھتے ہوئے آج بھی کئی انعامات حکومت اُن کے نام سے جاری کر رہی ہے۔حال ہی میں پونے یونیورسیٹی کا نام بدل کر ساوتری بائی یونیورسیٹی رکھا گیا۔انھیں خراج تحسین ادا کرنے کی کوشش کی گئی مگر اُس دور میں لوگوں کی خاص کر اپنے لوگوں کی مخالفت اور ظلم برداشت کرتے ہوئے یہ سب خدمتیں انجام دینا آگ کا دریا پار کرنا تھا جو ساوتری بائی نے کیا۔مہاماری کے دوران بھی وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے لوگوں کی مدد کر رہی تھی۔

ایک دِن ساوتری بائی کو پتہ چلا کہ مونڈوا میں مہار محلے میں ایک بچے کی حالت کافی نازک ہے وہ فوراً وہاں پہنچی، انھوں اسے اُٹھا کر گود میں لیا اور جلدی جلدی اسے لیکر اپنے بیٹے ڈاکٹر یشونت کے دواخانے کو جانے لگی۔اسی اثنا میں انھیں چکر

آ گئی۔ وہ کسی اور کی طرف دیکھنے لگی کہ کون بچے کو دوا خانے لے کر جائے گا۔ وہ آوازیں دینے لگی کہ کوئی ہے جو جلد سے جلد اس بچے کو لے جائے یشونت کے پاس تھوڑی دیر ہونے پر اس کی جان جا سکتی ہے۔ مگر وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ وہ خود موت کے قریب ہے۔

پریشانی میں سر کے پاس ہاتھ لے گئی تو دیکھا کہ پیشانی گرم ہے وہ چونک گئی مجھے۔۔ تیز بخار ہے۔۔ پھر وہ چکرا کر نیچے گر گئی آخری بار بھی یہی الفاظ تھے کہ کوئی ہے جو یہ بچے کی جان بچائے۔ آخری دم تک عوام کی خدمت کرنے والی خاتون اس بات سے بے خبر تھی کہ بچے سے زیادہ انھیں دوا کی ضرورت ہے۔ بچے سے زیادہ اُن کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ خدمت خلق کا جذبہ لیکر ہی وہ دنیا سے رخصت ہو گئی۔

۱۰ مارچ ۱۸۹۷ء میں پونے میں پلیگ کے دوران عوام کی خدمت کرتے ہوئے وفات ہوئی۔

ساوتری بائی پھُلے کی حیات اور کارناموں پر ایک نظر

☆ ۳ جنوری ۱۸۳۱ء ساوتری بائی کی پیدائش
☆ ۱۸۴۰ء ساوتری بائی کی شادی جیوتی با پھُلے کے ساتھ ہوئی۔
☆ ۱۸۴۱ء میں ساوتری بائی کی تعلیم سگونا کے ساتھ شروع ہوئی۔
☆ ۴۷۔۱۸۴۶ء ہندوستان کی پہلی تربیت یافتہ معلّمہ کا امتحان پاس کیا۔
☆ ۱۸۴۸ء میں لڑکیوں کا پہلا مدرسہ بُدھ وار پیٹھ کے بھِڑے واڑہ میں قائم ہوا۔
☆ ۱۸۴۸ء ۱۵ مئی کو دلت بچّوں کے لیے اسکول کا قیام عمل میں آیا
☆ ۱۸۴۹ء میں عثمان شیخ کے باڑے میں شدروں کی تعلیم بالغان کے لیے اسکول کا قیام عمل میں آیا۔
☆ ۱۸۵۲ء ۱۴ جنوری کو مہیلا منڈل سیوا کے ذریعے تیل گوڑ کا پروگرام کیا۔
☆ ۱۸۵۲ء ۱۶ نومبر کو انگریز سرکار کی طرف سے ساوتری بائی کو ''بیسٹ ٹیچر'' کا خطاب ملا۔
☆ ۱۸۵۳ء ۱۲ فروری کو پھُلے خاندان کے تعلیمی کارناموں پر پونے کے وشرام باغ واڑا میں منعقد ایک پروگرام میں عزت و توقیر سے نوازا گیا۔
☆ ۱۸۵۴ء میں نظموں کا پہلا مجموعہ ''کاوِ ے پھولے'' شائع ہوا۔
☆ ۱۸۵۵ء تعلیم بالغان (مزدوروں اور کسانوں) نائٹ اسکول قائم ہوئی۔
☆ ۱۸۵۶ء میں جیوتی با کو پہلا خط لکھا۔
☆ ۱۸۵۶ء ۲۵ دسمبر میں جیوتی با نے چار بھاشن لکھے تھے، انھیں شائع کیا۔
☆ ۱۸۶۰ء میں بیوا عورتوں کی شادی کا بیڑا اُٹھایا۔
☆ ۱۸۶۴ء میں ''اناتھ بالک آشرم'' کا قیام عمل میں آیا۔

☆ ۱۸۶۸ء میں جیوتی با کو دوسرا خط لکھا۔

☆ ۱۸۶۸ء میں دلتوں کے لیے اپنے گھر کا کنواں عام کیا۔

☆ ۱۸۷۳ء ۲۴ ستمبر جیوتی با نے ستہ شودھک سماج کی بنیاد ڈالی۔

☆ ۱۸۷۴ء میں برہمن بیوا کے بیٹے یشونت کو گود لیا۔

☆ ۱۸۷۶ء تا ۱۸۷۷ء مہاراشٹر میں زبردست قحط پڑا۔ اسی لیے پورے مہاراشٹر میں جیوتی با اور ساوتری نے ۵۲ مفت کھانے کے ساتھ ہاسٹیل کھولے۔

☆ ۱۸۷۷ء میں جیوتی با کو تیسرا خط لکھا۔

☆ ۱۸۸۸ء میں جیوتی با کو ''مہاتما'' کا خطاب ملا۔

☆ ۱۸۸۹ء میں گود لیے بیٹے یشونت کی شادی سسانے کی لڑکی سے کی۔

☆ ۱۸۹۰ء ۲۸ نومبر کو جیوتی با کی وفات ہوئی۔

☆ ۱۸۹۲ء گیتوں کا چھوٹا سا مجموعہ ''باون کشی رتنا کر'' شائع ہوا۔

☆ ۱۸۹۲ء بھاشن اور گیتوں کا چھوٹا سا مجموعہ شائع ہوا۔

☆ ۱۸۹۶ء میں ستہ شودھک سماج کی چیر پرسن کی حیثیت سے ساسوڑ میں منعقد میٹینگ میں شرکت کی۔

☆ ۱۸۹۶ء مہاراشٹر میں دوبارا قحط پڑا۔ لوگوں کی مدد کی۔

☆ ۱۸۹۶ء میں مہاراشٹر میں عورتوں کی فلاح و بہبودی کے کام شروع کرانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالا گیا۔

☆ ۱۸۹۷ء میں پونے میں پلیگ کی وباء پھیلی، جس میں ساوتری بائی نے لوگوں کی بہت خدمت کی۔

☆ ۱۸۹۷ء ۱۰ مارچ میں پونے میں پلیگ کے دوران عوام کی خدمت کرتے ہوئے وفات ہوئی۔

☆ ۹۸-۱۹۹۷ء میں پورے بھارت میں ساوتری بائی پھلے کی صدی منائی گئی۔

☆ ۱۹۹۸ء ۱۰ مارچ میں بھارت گورمینٹ نے اُن کی خدمتوں کا اقرار کرتے ہوئے اُن کا پوسٹ اسٹیمپ جاری کیا۔

مہاراشٹر کی سماجی اور تعلیمی زندگی پر پھُلے خاندان کے اثرات

پھُلے خاندان کے سماجی خدمت گار جیوتی با پھُلے اور ساوتری بائی پھُلے جنھوں نے مہاراشٹر میں دلت عوام کے لیے تعلیم کی راہوں کو آسان کر دیا۔ جن کی وجہ سے دلت لوگوں کی سماج میں ایک پہچان بن گئی تھی۔ اونچی ذات والوں نے اپنی برتری قائم رکھنے کے لیے اُن لوگوں کو جس قدر پستی میں اتار دیا تھا۔ جیوتی با اور ساوتری بائی نے اپنی انتھک کوششوں سے انھیں سماج میں عزت سے کھڑے رہنے کے لیے ستیہ شودھک سماج کے ذریعے ایک پلیٹ فارم عطا کیا۔ اپنی قوم کے درد نے اُن کے دِل میں جو ناسور کی کیفیت برپا کر دی تھی۔ اُس ناسور نے ستیہ شودھک سماج کی بنیاد رکھ کر قوم کی دوا کا کام کیا۔

قوم کے حالات کو بدلنے کے لیے انھیں کئی ایسے مددگاروں کی ضرورت تھی جو اُن کے شانہ بہ شانہ ساتھ رہ کر کام کریں یہ مددگار انھیں ستیہ شودھک سماج کے کارکنوں کی صورت میں مل گئے اور سماجی فلاح بہبودی کا کام مضبوط ہوتا گیا۔ جیوتی با اور ساوتری بائی چاہتے تھے کہ اُن کے بعد بھی دلتوں کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو بلکہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی اُن کے لیے آواز اُٹھانے والا رہے اور وہ خود اس قدر مضبوط ہو جائے کہ انھیں اپنے حقوق کی شناسائی ہو جائے۔ اِن کی خواہش کے پیش نظر انھیں ایسے

کارکنان ملے جنھوں نے اُن کے بعد بھی اُن کے کام کو جاری رکھا۔ ستیہ شودھک سماج کے سایے میں دلتوں کے حق کے لیے حکومت کے سامنے ڈٹ گئے۔

مہاراشٹر کی تعلیمی حالات اُسی وقت سے سُدھرنا شروع ہوئے جب سے پونے میں مہاتما پھُلے نے دلتوں کے لیے پہلی اسکول کی بنیاد رکھ کر آنے والوں کے لیے تعلیم کی راہوں کو آسان بنادیا تھا۔ اُس کام کو آگے بڑھایا اُن سے متاثر سماجی کارکنوں نے جن میں کرم ویر بھاؤ راؤ، وینا یک بالاجی بھنڈارکر، مورے وٹھل جاوڑکر، دھونڈی رام نام دیو کمبھار، تارا بائی شیندے وغیرہ کرم ویر بھاؤ راؤ نے جیوتی با کے تعلیمی کاموں کو آگے بڑھاتے ہوئے کئی اسکول کھولے۔ انھوں نے پھُلے خاندان کے تعلیمی کام کو آگے بڑھایا۔ کرم ویر بھاؤ راؤ نے ''ریت شیکشکھ سونستھا'' کی بنیاد رکھی۔ مہاراشٹر میں اس تنظیم کی کئی شاخیں وجود میں آئیں۔

ساوتری بائی پھُلے کی وجہ سے ہندو عورتوں میں علمی شعور پیدا ہوا۔ اُن سے متاثر ہو کر کئی خواتین سماجی فلاحی کاموں میں جُڑ گئیں۔ خواتین میں ادبی رجحان بھی بڑھ گیا۔ تارا بائی شیندے ستیہ شودھک سماج کی فعال کارکن تھی۔ وہ ادبی ذوق وشوق بھی رکھتی تھی۔ انھوں نے ''استری پرش ٹلنا'' نامی کتاب لکھی۔ یہ کتاب ۱۸۸۲ء میں شائع ہوئی۔ جس میں انھوں نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں آواز اُٹھائی ہے۔ ساوتری بائی کی زندگی میں ہی انھیں کئی ایسے ہاتھ میسّر ہوئے جنھوں نے عمل کی شمع کو تھام کر مستقبل کی راہوں کو روشن کیا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی اس کارِ سعید میں مردوں کے ہمراہ چل پڑیں۔

شاہو مہاراج نے مہاراشٹر میں تعلیم کو عام کرنے کے ساتھ ساتھ دلت عوام کی بھلائی کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ انہی کے وظیفے سے کئی لوگ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اہم عہدوں پر پہنچ کر دلت عوام کی بھلائی میں مشغول ہوئے۔ بھاؤ راؤ جب

شاہو مہاراج سے ملے اور انھیں دلت عوام کی پریشانیوں کے بارے میں بتایا، مہاراج بھی مہاراشٹر میں گھوم پھر کر سب حالات جان رہے تھے۔ شاہو مہاراج نے سماج میں پائے جانے والی غیر مساوی تقسیم کی طرف متوجہ ہو کر عام لوگوں کی بھلائی کے لیے کئی اہم قدم اُٹھائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر جو اپنی قوم کے درد سے واقف تھے جو خود بھی اس قسم کی تکلیفوں کا شکار ہوئے تھے۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ یہ اہم نکتہ نظر سمجھ گئے تھے کہ جیوتی با سے اب تک کئی سماجی لیڈر قوم کی بھلائی میں لگے تھے وہ اس مقصد کو قانونی طریقے سے حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے انھوں نے لندن جا کر وکیل کی ڈگری حاصل کی تا کہ وہ اپنا کام آزادی سے کر سکے۔ کولہاپور کے شاہو مہاراج سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ دلتوں کے حالات سدھارنے کے لئے شاہو مہاراج دل سے کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر امبیڈکر کی مدد کی کہ جس سے ایک کمیٹی بنائی جس میں دلت سماج کی بھلائی کے لئے کاموں کی شروعات ہوئی۔

ڈاکٹر امبیڈکر نے وطن کی آزادی میں حصہ لیکر اپنی قوم کی نمائندگی کی جب وہ گول میز کانفریس (لندن) میں شریک ہوئے تو انھوں نے وہاں کے لوگوں کو اپنی قوم کی حالت کے بارے میں سب بتایا۔ انھوں نے قوم کی فلاح کی خاطر ایک ٹھوس قدم اُٹھایا۔ آخر کار اُن کا کام پائے تکمیل کو پہنچ گیا۔ جس سے سماج میں دلتوں کی حالت بدل گئی۔ آزاد بھارت کے قانون میں دلتوں کے لیے خاص طور پر ترقی کی راہوں کو مضبوط کرنے کے لیے سرکار نے کئی قانونی قدم اُٹھائے۔ جو کام ناممکن تھا وہ ممکن ہو پایا اور ہندوستانی سماج ایک نئی راہ پر چل پڑا۔

جیوتی با پھلے اور ساوتری بائی پھلے نے جن کاموں کی ابتدا کی تھی اور وہ جو خواہش رکھتے تھے اپنی قوم کے لوگوں کے لیے اُن میں کئی کام انھوں نے خود پورے

کیے۔ جیوتی با کے دور میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ پیشوائی راج ختم ہو چکا تھا۔ تعلیم سے آگہی حاصل کر کے نوجوان آزادی کی راہ میں نکل کھڑے ہو گئے تھے۔ شعور و آگہی کے در کھلتے ہی اپنے ہونے کا احساس شدّت سے جگا اُٹھا یہ احساس اُن میں جیوتی با اور ساوتری بائی نے جگایا تھا۔ انھیں صدیوں کی غلامی سے جگانے کے لیے انھوں نے اپنی نیندیں حرام کر لی تھیں۔ قوم کے درد نے انھیں اپنے درد سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے کارنامے اُن کا ادب اس بات کا زندہ ثبوت ہے۔ انھوں نے حتی المکان سماج کو سدھارنے اور خاص کر دلت سماج کو سدھارنے کی کوشش کی۔ جن کاموں کو وہ کرنے سے رہ گئے وہ کام اُن کے متاثرین نے آگے بڑھ کر پورے کیے تھے۔ زیادہ تر کام آزاد بھارت میں قانونی طور پر ممکن ہوئے۔ بھارت کے آئین میں شُدروں کے لیے کئی فائدے مند قانون بنائے گے۔ یہاں تک کے انھیں کسی بھی غیر مہذب نام سے بُلانے پر پابندی لگائی۔ ہندو عورتوں کی تعلیم، اُن کی سماجی حیثیت کو تسلیم کیا گیا۔ یہ ساوتری بائی کے محنت کا پھل ہے کہ پونے کو تعلیم کا میکہ کہا جاتا ہے۔ آزادی کے پہلے سے ہی تمام سماجی رہنماؤں کی وجہ سے سماج میں ایک انقلابی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ پرنٹ میڈیا (اخبار، میگزین اور ادبی تصانیف) اور الیکٹرانیک میڈیا کے ذریعے بھی عورتوں کے حقوق، ذات پات میں ہونے والی تفریق اور سماجی ناانصافی پر آواز اُٹھائی گئی۔

ستیہ شودھک سماج اور بعد کی آنے والی تمام تنظیموں کا مقصد سماج میں ہونے والی غیر مساوی تقسیم، ناانصافی، جہالت، عورتوں کے حقوق کی پامالی اور دلت لوگوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک اِن تمام کاموں کی روک تھام کرنا اور قومی یک جہتی کو فروغ

دینا تھا۔ ہر ایک نے اپنے طور پر زور شور سے پہلے انگریز سرکار کو اور بعد میں آزاد بھارت میں بننے والی نئی سرکار کو اپنے مقصد کی طرف توجہ دلا کر اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تعلیم کی وجہ سے نوجوانوں میں قدیم دقیانوسی رسم و رواج کے خلاف بغاوت کرنے کا شعور آ گیا تھا۔ غلامی ، آزادی، انصاف ،مساوات اور جمہورت کا مطلب وہ اچھی طرح جان گئے تھے۔ جیوتی با پھلے اور ساوتری بائی پھلے یہی چاہتے تھے کہ عوام میں اپنے حق کے لیے آواز اُٹھانے کا شعور آ جائے۔ ہندوستان کے کئی شہروں میں اسکولوں و کالجوں کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ آزاد بھارت میں جدید تعلیم کی بنیادوں کو مضبوط کیا گیا۔ سماج کی فلاح و بہبودی کے لیے کئی تنظمیں وجود میں آئیں۔ غرض کہ آزاد بھارت ایک نئے دور کی طرف چل پڑا۔ جہاں سب کے لیے تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا۔ سماج میں سب کے لیے یکساں آئین بنایا گیا۔

جیوتی با پھلے اور ساوتری بائی پھلے نے جو خواب دیکھے تھے وہ پائے تکمیل تک پہنچ گئے تھے۔ مہاراشٹر میں ستیہ شودھک سماج کے کام آگے بڑھتے رہے۔ نئے نئے کارکنان شامل ہو کر اس کام کو آگے بڑھاتے رہے۔ بہوجن سماج کی ترقی کے لئے قانونی طور پر کئی اصول مرتب کئے گئے۔ انھیں ایک کامیاب زندگی دینے کے لئے سرکاری طور پر کئی قانون بنائے گئے۔ اُن پر عملی طور پر کام شروع ہو گیا تھا۔ انھیں سماج میں ایک عزت دار شہری کے طور پر قبول کر لیا گیا ہیں۔ آج دلت عوام کی جو خوشحال زندگی ہیں وہ سب پھلے خاندان کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مہاراشٹر میں دلتوں کی جو بھی سماجی اور تعلیمی ترقی ہوتی گئی اور جو ہو گی، اُس کی بنیاد پھلے خاندان کی کوششوں کا نتیجہ ہی قرار پائے گی۔

کتابیات

کتاب کا نام	مصنف
ساوتری بائی پھلے سمگر ہواڑیم	ڈاکٹر م.گ.مالی
مہاتما پھلے سمگر ہواڑیم	پھڑکے ی،دی
امہی پاہلیلے پھلے	مرتب سیتارام رائے کر
پہلی بھارتیہ شیکشیکا	ب۔بھ۔پوار
ساوتری جیوتی	اندومتی کیڑکر
تھور سماج سویکا ساوتری بائی پھلے	پریما گورے
دیناچی ساؤلی	ڈاکٹر کر۔پ۔دیشپانڈے
اگنی پھلے ساوتری بائی پھلے یانچی کویتا	ڈاکٹر کر۔پ۔دیشپانڈے
سوروپ انی سمیشا	
ساوتری بائی پھلے: اشپیلو ویکتی متو	نا۔گ۔پوار
ساوتری بائی پھلے وچارانی کاریے	پروفیسر سونیتا بیڑوے۔ڈھگے
بھارتیہ ستری رتن	ڈاکٹر سوشا لیمبے
ساوتری بائی پھلے	
کرم یوگینی ساوتری بائی پھلے	ڈاکٹر مسز کرن ناگ توڑے
پونے کے مسلمان	ڈاکٹر عبدالستار دلوی
۱ "مانو محمد" پواڑا	جیوتی باپھلے، مترجم ابراھیم فیض

(شائع کردہ بھارت مکتی مورچہ، راشٹریہ پریمی سمیتی)

۲ شاعرہ ساوتری بائی پھلے	ڈاکٹر نسرین رمضان سیّد